© rasailojaraid.com

ابوالعلا محمد اسمٰعیل گودھروی

تفسیرُ القاءِ الرحمٰن

ترجمہ

تفسیر الہامُ الرحمٰن

(چوتھی قسط)

پس اجتماع عامہ جس میں تمام اقوام وملل انسانیہ کو جزاء اور بدلہ سے اور یہ پوری پوری جزاء اور بدلہ ہو یہ اس وقت ہوگا جبکہ روئے زمین سے انسانیت ختم ہوجائے گی اور تمام انسان فنا ہوجائیں گے۔

وہ دن جس دن یہ جزاء اور بدلہ دیا جائے گا وہ اعظم یوم الدین اور یوم انصاف کا بہت بڑا دن ہوگا جب "یوم الدین" کا اطلاق ہوتا ہے تو اس سے یہی دن مراد ہوتا ہے۔

اور اسی بنا پر وہ اعمال جن میں انسانی اجتماع شریک ہے دنیا میں اس کا بدلہ ملنے کی کوئی امید نہیں ہے لیکن بعض مواضع میں بعض لوگوں کو اس کی جزاء اور بدلہ لینے کے لئے موکل کیا جاتا ہے کہ غلطی کرتے ہیں، اور عمداً یا خطاً ظلم کو جائز رکھتے ہیں جن کے فیصلہ کے لئے مواقع نہیں ہے اس قسم کے امور کا فیصلہ "یوم الدین" ہی کو ہوگا۔ وہاں تمام ملوک اور بادشاہوں اور قاضیوں اور ججوں کے فیصلے دیئے جائیں گے، ٹٹولے جائیں گے۔ اگر ان فیصلوں میں ظلم اور ہضم حقوق ہوا ہوگا تو پہلے فیصلوں کو مسترد کیا جائے گا اور لوگوں کا حق حق فیصلہ ہوگا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پس انسان ہمیشہ ایک بادشاہ کا محتاج ہے جس کے ہاتھ میں جزاء و سزا اور بدلہ لینے کا حق ہو اور جن کے حقوق ہضم ہوگئے ہوں ان کا بدلہ اور جزاء پوری پوری دلوائے اور یہ تمام کلمہ " مالک یوم الدین " میں داخل ہے ۔ جب انسان کے اندر اتنی معرفت پیدا ہو جائے تو وہ اپنے حقوق کے ضیاع سے فارغ البال ہو جاتا ہے وہ اپنے اجتہاد و کوشش سے اس طرف پہنچ جاتا ہے کہ جزاء اعمال حق ہے اس کے بعد کوئی قوت انسانی ظاہر ہوتی ہے جو انسانیت کی تنظیم کرتی ہے ۔

جو لوگ وقوع جزاء اعمال پر ایمان و یقین نہیں رکھتے ایسے لوگ جزاء اعمال کے لئے کسی نہ کسی قانون کی پیروی ضروری کرتے ہیں ۔ جو ان کی حیوانیہ کے ارتقاء کے اجتماع کا سبب بنے پس جو فساد تنظیم انسانیہ میں واقع ہوتا ہے اس کا مبداء عدم ثبوت معرفت ہے کہ اس انسان میں عقل نہیں ہے تو کچھ قرآن میں قوموں اور آدمیوں کے لئے ، دنیا اور آخرت میں مجازات عمل ہے ان تمام کا مرجع یہی آیت کریمہ ہے :

ایاک نعبد وایاک نستعین — ہم تیری ہی عبادت کرتے اور تجھ سے ہی امداد چاہتے ہیں ۔

جب انسانیت کی نسبت اپنے خالق کی طرف متعین ہو گئی کہ وہ تمام امتوں کا رب ہے ۔ اس کی ربوبیہ و پروردگاری انہی کی طرف رجوع کرتی ہے جیسے ربوبیۃ والدین اولاد کی طرف ، اور ان کی خصومات کے فیصلے ان سے قضایا پر نظر اور ایفائے حقوق جو ان میں باہم ہوتے ہیں ۔ فصل ملک و رب الناس سے وابستہ ہیں اور اس حالت میں انسانیت نہ کسی واکم کا محتاج ہے نہ کسی بادشاہ کا سوائے اپنے پروردگار کے جو ان کا رب ہے ، نہ انسان کسی کی بادشاہت سے مطمئن ہے نہ کسی حکومت سے جب انسانیت اللہ تعالیٰ رب الناس ملک الناس کے ساتھ مقید ہو گئی اس سے تجاوز نہیں کرتی ۔ نہ آگے بڑھتی ہے تو اسے کوئی حسرت پریشان نہیں کر سکتی اور یہی خدا کے اس قول ایاک نعبد وایاک نستعین کے معنی ہیں ، پس ہم احرار ہیں اور اپنے رب کے سوا سب سے آزاد ہیں ، ہم خالص محبت سے اس کی عبادت کرتے ہیں ، جس سے ہمارے قلوب لبریز ہیں اور ہمارے قلوب نے اس کی پوری پوری معرفت حاصل کر لی ہے ، ہمارے اعضاء و جوارح خوشی بخوشی اس کے سامنے جھک گئے ہیں اور اسی لئے غیر اللہ میں سے کسی کو کوئی ہم سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ آرزو نہیں کرتا ، اور ان باتوں کو غیر اللہ سے قطعاً جائز نہیں رکھنا ۔

عبودیت کے معنی معین ہیں ، لیکن بسبب استعمال مجاز الفاظ سے شبہ ہوتا ہے اور اسی بناء پر ہمارا فرض ہے کہ اس کے معنی ہمارے قصد و ارادہ میں کیا ہیں ان کو ہم معین کر دیں ۔

ہم سوائے ہمارے رب کے کسی سے استعانت و امداد نہیں چاہتے ۔ اگر مخلوق میں سے کوئی ہم سے امید رکھے کہ ہم اس کے احکام سے مقید ہو جائیں اور صرف اس لئے کہ ہماری کچھ اعانت و امداد کرتا ہے لوازمات زندگی جس سے ہم محتاج ہیں ، ہم پہنچاتا ہے ۔ اس کو یاد رکھنا چاہیئے کہ قطعاً ہم اس کا اقرار نہیں کرتے کہ اس تقلید سے ہماری امداد و اعانت کی ہے کہ ہم اس کے احکام و اوامر سے مقید ہو جائیں ، اب اس کو اختیار ہے کہ اس کے بعد وہ چاہے ہمیں اپنی اعانت و امداد سے قطعاً محروم کر دے ہماری زندگی پروردگار کی اعانت و امداد سے وابستہ ہے ۔ اس سے ہم پروردگار کے سوا کسی کے محتاج نہیں ہیں ۔ اگر ہم تک وہ کوئی چیز اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے پہنچاتا ہے تو اس کا شکریہ ادا کرتے ہیں اس کی تعریف کرتے ہیں کہ اس نے امر خداوندی کی طاعت و پیروی کی لیکن اس کے حکم کے سامنے جو حکم خداوندی کے خلاف ہو ہم نہیں جھک سکتے ۔

اگر ہم واسطہ اور ذریعہ کو کسی عبادت کا کسی کو مستحق سمجھیں گے اور اس کی عبادت کریں گے تو تمام وسائط و ذرائع ہم سے اس کا مطالبہ کریں گے اور ہم اسفل السافلین میں جا گریں گے ۔

پس ہماری احتیاجات اور ضروریات کو پورا کرنے میں ہمارے اعمال کی اساس و بنیاد غیر اللہ پر اعتماد و بھروسہ کرنے پر ہے اور اسی سے ہم یہ طاقت رکھتے ہیں کہ غیر اللہ کی عبادت و پرستش سے ہم انکار کرتے ہیں اور پوری طرح راحت میں ہیں ، اور حر و آزاد ہیں اگر ہم اپنے افکار کو ہماری احتیاجات و ضروریات سے مقید کر دیں ۔ اور پروردگار کے سوا کسی دوسرے سے مقید کریں تو یہ مؤدی ہوگا ، اس طرف کہ ہم ہر معطی ، ہر معین کے غلام بن جائیں تو ہماری حریت و آزادی سلب ہو جائے گی ۔

پس حقیقت " ایاك نستعین " اور " ایاك نعبد " کی شرح یہ ہے — جب ایک آدمی یہ جانتا ہے کہ اس کا خالق ہی ہر چیز کا معطی اور دینے والا ہے یہ جانتے ہوئے یہ آدمی دوسروں کی چوکھٹ کی طرف اپنی حوائج و ضروریات کے لئے جاتا ہے تو ایسا آدمی حر ، آزاد ، موحد نہیں ہو سکتا بلکہ وہ عبد مشرک ہے ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قرآنی تعلیم ہماری فہم و سمجھ سے طریقہ امام ولی اللہ دہلوی کے موافق یہ ہے کہ شرک اور جو کچھ شرک کے بارے میں اور شرک کی تردید میں وارد ہے اور جو کچھ شرک کے لئے دنیا اور آخرت میں عذاب و عتاب مقرر ہے اور موحد جس کے معنی اصطلاح حاضر کی رُو سے کئے گئے ہیں جس کے معنی حروآزاد ہیں اور موحد کے فضائل جو دنیا و آخرت میں ہیں اسی آیت کی طرف رجوع کرتے ہیں اس سے نصف سورۃ ختم ہوئی اس میں آدمی کی اجتماعیۃ سے بحث تھی، لیکن ہر آدمی سے علیحدہ اور منفرد بحث ہی تھی۔ اب یہاں آدمی کی بحث اس کی اجتماعیہ سے ہوگی۔

اھدنا الصراط المستقیم ہمیں صراط مستقیم کی ہدایت فرما

یہ دعا ہے اور ہمارے نزدیک دعا کے یہ معنی ہیں کہ ہم نے کسی چیز کے لئے اپنے دلوں میں طے کرلیا ہے کہ ہم ایسا کریں گے اور ہم اس کے حصول کے لئے سعی کر رہے ہیں کہ وہ ہمیں حاصل ہو جائیں لیکن اس میں بہت سی رکاوٹیں ایسی ہیں کہ ہم مقصود تک نہیں پہنچ سکتے اور ہم ان رکاوٹوں کو راستے سے دور کرنے کی قدرت و طاقت نہیں رکھتے تو ہم اپنے پروردگار رب اور رحمٰن اور رحیم اور مالک اور شہنشاہ کی جناب سے جو ہر شئی پر قادر ہے طلب کرتے ہیں کہ وہ ان موانعات اور رکاوٹوں کو ہماری راہ سے دور کردیوے تاکہ ہم اپنے مقصد کو جلد سے جلد پہونچ جائیں۔

ہم نے خدا کے صالح بندوں سے سنا ہے اللہ سبحانہ و تعالیٰ اپنے بندے کی اس دعا کو سنتا ہے اس سے راضی و خوش ہوتا ہے اور اس کی دعا قبول کرتا ہے پھر ہم نے بھی بارہا اس کا تجربہ کیا ہم نے بھی ایسا ہی پایا تو اسی بنا پر ہم اس سے دعا کرتے ہیں۔ اس کے حضور میں اپنی حاجات و ضروریات کی درخواست کرتے ہیں۔

انبیائے کرام کی تعلیم کو تحریف کرنے والوں نے دعا کے معنی اس کے سوا کچھ اور کئے ہیں اور جنہیں فطرۃ سلیم دی گئی ہے وہ اس سے انکار کرتے ہیں تو ہم ان سے اور ان دونوں سے بری ہیں۔

ہماری حکمت عملیہ میں دعا علت تامہ اعمال کا ایک جز ہے اور دفع موانعات علت تامہ کا اہم جز ہے ایک مومن جب یہ اعتقاد رکھتا ہے اور خدا کی جناب میں پورے اخلاص اور حضور قلب سے دعا کرتا ہے اور اس اعتقاد سے دعا کرتا ہے کہ اس کا رب، اس کا پروردگار اس سے اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی شہ رگ سے قریب ہے تو اس کو قلبی اطمینان حاصل ہوتا ہے اس کا دل خوش ہوتا ہے۔

ہمارا اعتقاد ہے کہ اس سے انسان کی قوت ارادی کی نو د ہائیاں اس کے اعمال کی علت ہیں تو یہ دعا اس کے لئے اطمینان خاطر کے بعد اس کی قوت ارادی کے تمام مظاہر ظاہر ہو جاتے ہیں۔

جب انسان کے قلب میں خطرہ موجود ہو کہ مقصود کے حاصل کرنے میں یہاں بے شمار مواقعات موجود ہیں تو اس کی قوت عملیہ ارادیہ مضمحل ہو جاتی ہے اور عمل کی خوشی مفقود ہو جاتی ہے اور قوۃ ارادیہ اپنے تمام اجزاء عمل سے گرگریز کرتی ہے اور نتیجہ پوری طرح واضح اور ظاہر نہیں ہونے پاتا۔

فصل

فطرت کے اقتضاء کے مطابق چلنا ہی صراط مستقیم ہے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت فطرۃ انسان کی تکمیل ہے اور اوامر اور نواہی اسی غرض کے مطابق ہوتے ہیں۔

جب ہماری طبیعت ہر تقلید انسانی سے آزاد ہو۔ اور تمام یہ اعتماد رکھتی ہوں کہ ہمارا پروردگار اس اعتماد سے زیادہ قابل اعتماد ہے۔ جو اولاد مبداء ولادت میں ماں باپ سے رکھتے ہیں اور ہماری فکر تکمیل فطرۃ ہوتی ہے اور ہم دعا کرتے ہیں تو یہی کرتے ہیں۔

اھدنا الصراط المستقیم ہمیں تو مستقیم و سیدھی راہ کی ہدایت فرما۔

فصل

ہمارے جسم کے بہت سے اعضاء و جوارح جن کے وظائف مختلف اور متعین ہیں اور ہر عضو اپنی حدود سے باہر نہیں ہوتا اور اس سے ہم ہماری ذات کے اندر مختلف معانی پاتے ہیں جن کی رُد سے ہم ترقی پاتے ہیں۔

یہ پہلی نظر میں ہم ان کی تقسیم دو قسموں میں کرتے ہیں:

پہلی قوت علمیہ دوسری قوت عملیہ پھر ہمارے قلوب میں خواطر پیدا ہوتے ہیں کہ ہماری زندگی میں اجتماعی زندگی اس قابل ہے جس کی مدح و توصیف ہو سکے اور ہم علم و عمل میں ترقی کر سکیں کیونکہ یہ تمام امور نظریات انسانی کی مقتضیات ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اورہم پسند کرتے ہیں جب مختلف امور ہمارے سامنے آئیں اور اقتضاء قوائے طبعیہ مختلفہ مختلف صورتوں میں آئیں جس سے ہمیں ایک بہترین سکون و قرار حاصل ہوتا ہے۔ یہی سکون و قرار صراط مستقیم ہے، جس پر چلنے کی پوری طرح پوری قوت سے آرزو و تمنا رکھتے ہیں۔ اور یہ قوۃ عملیہ کا پہلا مظاہرہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا قول ہے:

صراط الذین انعمت علیہم ان لوگوں کا راستہ جن پر تونے اپنا انعام کیا ہے۔

انسان کے تمام قوائے فطریہ، اس وقت تک مکمل نہیں ہوتے جب تک اسے مجتمع انسانی حاصل نہ ہو، جس کے اندر تکمیل قوائے فطریہ موجود ہوں جو اسوہ اور نمونہ ہوں تکمیل قوائے نظریہ کے۔

پس ہماری یہ دعا:

اھدنا الصراط المستقیم ہمیں صراط مستقیم کی ہدایت فرما۔

یہ جملہ نظریات سے تھا اس آیت میں عقلیات سے تبدیل کر دیا گیا۔

صراط مستقیم فقط ایک نظری امر ہے بلکہ یہ نظام حیات کا ایک پروگرام، دستور اور نظام حیات ہے، اس پروگرام، دستور اور نظام حیات کا نفاذ نہیں ہو سکتا جب تک اس اجتماع کی راہ پر نہ چلا جائے، جن پر خدا نے اپنا انعام خاص کیا ہے۔ اور وہ جماعت جس کا یہ اجتماع ایک جزء ہے اور جس پر صادق آسکتا ہے کہ ان پر اللہ تعالیٰ نے اپنا انعام کیا ہے اور وہ اجتماع انہی کی مانند ہے جن کے تمام قوائے فطریہ کامل واکمل تھے جس کے لئے ترقی حیاۃ کے سارے اسباب مہیا کئے گئے تھے اور ایک اساس محکم پر جن کا اجتماع تھا۔ اور ہر شخص جو اس جماعت کی راہ پر چلتا ہے، وہ سمجھتا ہے کہ صراط مستقیم یہی ہے۔

ان دو آیتوں سے ہم اشارہ پاتے ہیں کہ صراط مستقیم کی تعیین اور اجتماع انسانی کی طلب وجستجو ہر انسان کا فرض ہے۔ جب کوئی انسان اس فرض کو پورا نہیں کرتا اور وہ اس کی پاداش میں قعر عمیق میں گرتا ہے تو ملامت کا حقدار وہی ہے، قصور اس کا ہے، نہ صراط مستقیم کا۔

اس کی مثال یہ ہے کہ ایک بھوکے پیاسے پر واجب ہے کہ وہ اپنے مظان کے مطابق کھانا پینا تلاش کرے، اگر اس نے طلب نہیں کیا، جستجو نہیں کی اور بھوک پیاس سے مرگیا تو قابل ملامت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وہی ہوگا نہ کوئی دوسرا۔

اور جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ہے اس کی تفسیر قرآن حکیم کے اندر نبیین، صدیقین، شہداء و صالحین سے کی گئی ہے کہ یہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے اپنا انعام کیا ہے۔

انسان علم و عمل کا جامع ہے اور وہ فطرۃ سلیمہ موجود ہے تو یہ دونوں اس سے علیحدہ نہیں ہوتے، لیکن بعض لوگوں میں بعض قوی غالب ہوتے ہیں۔ اور اسی وجہ سے انسان مختلف ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کے محتاج ہوتے ہیں۔

ایسے لوگ جن کی قوت علمیہ غالب ہوتی ہے اور درجہ عالیہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ وہ منبع انسانیت سے علم حاصل کرتے ہیں۔ اور وہ انبیائے کرام ہیں اور ان کے بعد ان کا درجہ ہے جو ان سے موخر ہیں جو منبع علم سے علم حاصل کرتے ہیں۔ جن کی قوت عملیہ انبیاء کرام کی سی ہوتی ہے، وہ صدیقین ہیں اور وہ لوگ جن پر قوت عملیہ غالب ہے اور درجۂ عالیہ کی انتہا کو پہنچے ہوئے ہوتے ہیں اگر اس حیثیت سے وہ اپنا مقصود حاصل نہ کر سکیں تو وہ اس راہ میں قتل ہو جاتے ہیں اور یہی شہداء ہیں۔

اور وہ لوگ جو ان سے ہوئے ہیں اور جو اس درجہ کو نہیں پہنچ سکے اپنی جانوں کو قربان کر دیں لیکن زندگی بھر وہ اس کے لئے پوری پوری کوشش کرتے رہے کہ مقصد کی تکمیل ہو جائے یہ صالحین ہیں اور یہ عاملین کا درجہ ہے۔

ہمارا مقصد یہ ہے قوائے علمیہ اور عملیہ میں ہم دوسرے سے پیچھے نہ رہیں۔ اور درجہ اولیٰ کو پہنچ جائیں تو بہتر ہے کیونکہ یہ بہترین درجہ ہے۔

اس درجے تک پہنچنے کی شرط یہ ہے کہ یہ چیز ہمیں درجہ ثانیہ سے نیچے علم و عمل میں نہ گرا دے۔ پس جو لوگ حق کو جانتے ہیں اور یہ بھی جانتے ہیں کہ صراط مستقیم کے لئے ان کی فطرۃ کا اقتضاء کیا ہے اور باوجود اس علم کے یہ لوگ فطرت کی طرف نہ بڑھے اور عمل میں دوسرے درجے میں ہی رہے تو ان کو مغضوب علیہم سے تعبیر کیا جائے گا۔

اور وہ لوگ جن کی قوت عملیہ قوی ہے۔ لیکن مقتضیات فطرۃ کی راہ نمائی انہیں حاصل نہیں ہے اور علم کے ذریعے انہوں نے فطرۃ نہیں حاصل کی ہے، ایسے لوگ علم کے درجہ ثالثہ میں ہیں۔ جن کی تعبیر ہم ضالین سے کرتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہم امید رکھتے ہیں کہ ہمیں درجہ اجتماع صالح عطا ہو، جو طبقہ ثانیہ علماء پر مشتمل ہے اور طبقہ اولی اور طبقۂ ثانیہ عاملین کا ہے۔ ہم اس اجتماع کے ایسے درجہ میں داخل ہونا نہیں چاہتے جو علم و عمل کا تیسرا درجہ ہے بلکہ ہم ان لوگوں کو ایسے اجتماع سے نکالنا چاہتے جو اس درجہ میں پڑے ہوئے ہیں ——— یہاں "غیر المغضوب علیہم" اور "ولا الضالین" کی تفسیر ختم ہوئی۔

فصل

اس دعاء کے یہ معنی ہیں کہ روئے زمین پر کوئی صالح اجتماع موجود ہے۔ جو ہماری تمام حاجتوں اور ضرورتوں کو پورا کر سکتا ہے، ہمیں اس تک پہنچا دے اور اس پر چلنے کی ہمیں توفیق عطا فرما اور اگر کوئی ایسا اجتماع نہیں ہے تو ہمیں ایسا اجتماع بنانے کی توفیق عطا فرما۔

اگر کوئی آدمی منہج صراط مستقیم پر چلنے کی خواہش رکھتا ہے لیکن اس شرط سے ایسا اجتماع اسے حاصل ہو جائے اور وہ اس میں شریک ہو جائے اگر وہ ایسا اجتماع نہیں پاتا۔ کوئی ایسی جماعت اسے نہیں ملتی جو اس طریق پر چل رہی ہے یا وہ اس طریق پر چلے تو وہ اپنے کو معذور و مجبور پاتا ہے کیونکہ انسان ایسا عظیم عمل۔ ایسا بڑا کام اجتماع کے بغیر انجام ہی نہیں دے سکتا تو ایسا آدمی جو یہ رائے رکھتا ہے، ناقص العزم، ناقص الارادہ ہے۔

اور وہ آدمی جو ایسا اجتماع نہیں پاتا، وہ کامل العزم والارادہ ہے تو وہ ایسا اجتماع بنانے کی کوشش کرتا ہے، اور ایسا اجتماع بنانا ایسا ہے جیسا ویران صحراء میں شہر آباد کرنا اور اس میں جس قسم کی صعوبتیں و مشکلات ہیں، مخفی نہیں ہے۔ لیکن اصحاب ہمم عالیہ اور ارباب عزیمت کے لئے آسان اور سہل ہے۔

فصل

قرآن عظیم کیا ہے؟ قرآن عظیم ایک تحریک اجتماعیہ عالمیہ کی دعوت ہے وہ برنامجہ، دستور العمل، نظام قومی، پروگرام اصلاح کا عنوان ہے جو مقتضیات قومیہ مخصوصہ کا تعین نہیں کرتا ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نظریات عقلیہ میں لوگوں کے مختلف طبقے ہیں جو مختلف اور متباین نظریات رکھتے ہیں، ایک طائفہ اور گروہ کا مقصد ایک وجہ اور ایک طرح پر ہے اور دوسرے طائفہ دوسرے گروہ کا مقصد دوسری وجہ اور دوسرے طرح پر۔ اور یہ مقصد تکمیل فطرت انسانیہ ہی کے لئے ہے۔

پس صراط مستقیم ایک قوم ایک گروہ کے لئے ایک صورت میں ہے اور دوسرے گروہ کے لئے دوسری صورت میں اور وہ دعا جو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو الہام کی ہے ان شخصیات سے عام ہے۔ تو جو آدمی اپنی فطرت سے اپنے رب اور پروردگار پر اعتماد کرتا ہے اس کے لئے کیا یہ بھاری ہے کہ اللہ تعالیٰ سے صراط مستقیم کی ہدایت کا سوال کرے۔ کیا اس کے بعد ایک سلیم الفطرۃ آدمی اجتماع صالح سے محروم رہ سکتا ہے، اور تشخصات صراط مستقیم اس کو کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتا۔ کیونکہ امام کا اعتماد تعیین صراط مستقیم ہے، اس تعیین کا اپنے رب سوال کرتا ہے اور اس سے ہدایت چاہتا ہے۔ پس اجتماع ساری امتوں کے لئے دعا واحد سے آسان ہے۔ اور جب ساری قوموں کا ایک ہی برنامج، دستور و نظام اور پروگرام نہ ہو اجتماع کیسے ممکن ہے؟

اسی طرح صراط مستقیم کی عملیات اور اس کی تفصیل صراط الذین انعمت علیہم سے کی گئی ہے عظماء میں سے کسی شخص کا ذکر نہیں کیا گیا نہ کسی قوم کا ذکر کیا گیا ہے، ہم نہیں کہتے صراط محمدؐ، صراط ابوبکرؓ، صراط عمرؓ، اسی طرح ہم نہیں کہتے، صراط موسیٰؑ، صراط عیسیٰؑ، اسی طرح قوموں اور امتوں کا ذکر نہیں کیا ہے، باوجودیکہ ان میں بڑے بڑے آدمی ہوتے ہیں۔ لیکن کسی کا نام نہیں لیا گیا۔

وہ آدمی جو اعتماد و بھروسہ اپنی فطرۃ سے اپنے رب پروردگار پر رکھتا ہے اس اجتماع سے جس پر اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص انعام کیا ہے اس سے مختلف رہ سکتا ہے ہم اس کو پکارتے ہیں اور دعا کرتے ہیں اور کہتے ہیں:

اھدنا الصراط المستقیم	ہمیں تو صراط مستقیم کی ہدایت فرما۔
صراط الذین انعمت علیھم:	ان لوگوں کے صراط کی جن پر تو نے انعام کیا ہے

ہم نے تمام کتب انبیاء کرام علیہم السلام میں ایسی دعا نہیں دیکھی جس کے اندر یہ انصاف اور ایسا عدل موجود ہو اور جو تمام کو کلمۂ واحد پر جمع کر دیوے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسی طرح مغضوب علیہم و الضالین کو ہم کسی قوم کسی امت کے ساتھ مخصوص و متعین نہیں کرتے — یہ فصل ختم ہوئی -

لطیفہ

ہم اپنے زمانے میں ان لوگوں کو "مغضوب علیہم" کہتے ہیں جو کہتے ہیں قرآن کے معنی تو ہم سمجھتے ہیں لیکن اس پر عمل کرنا مشکل محال اور نا ممکن ہے -

اور اسی طرح ہم ضالین گمراہ اس کو کہتے ہیں جو کہتے ہیں قرآن کا سمجھنا اس زمانے میں ناممکن اور محال ہے ۔[1]

---

[1] **لطیفہ** : ہمارے شیخ نے کہا ہے کہ ہمارے زمانے میں **مغضوب علیہم** وہ ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ قرآن کے معنی تو ہم سمجھتے ہیں لیکن اس پر عمل کرنا مشکل اور محال ہے ہم ایسے لوگوں کو مغضوب علیہم کہتے ہیں ۔ حدیث میں مغضوب علیہم کی تفسیر آپ نے یہود سے کی ہے ۔ تو یہ تفسیر ہر زمانے کے لئے نہیں کی گئی بلکہ ایک مثال اور نظیر آپ نے بیان فرمائی ہے ۔ ان لوگوں کی اس زمانے میں ایسے تھے ۔ آج کی اس کی تفسیر آبادیوں اور ملک کو دیکھ کر آبادی اور ملک کے اعتبار سے تفسیر کرنی چاہیئے

اسی طرح ضالین کی شرح و تفسیر کرتے ہیں کہ ان لوگوں کو ضالین کہیں گے جو علم قرآن اور قرآن کا سمجھنا اس زمانے میں ناممکن و محال اور دشوار کہتے ہیں ۔ اس حدیث میں اس کی تفسیر و تشریح نصاریٰ سے کی گئی ہے ۔ وہ بھی آپ کے زمانے میں ایسے لوگ پائے گئے اس سے اس کی تفسیر کی گئی ہے

میں ایک جدید الاسلام آدمی ہوں ۔ اپنے سولہ (۱۶) سال کی عمر میں اسلام قبول کیا ۔ علم دین ہمارے ملک کے علماء سے حاصل کیا اور اسی طرح حاصل کیا ۔ جس طرح ہمارے ملک کے لوگ حاصل کرتے ہیں میں کوئی مالدار آدمی نہیں تھا ۔ نہ میرے پاس کوئی حرفت اور پیشہ تھا ۔ ہماری ضروریات ادنیٰ درجے کے مسلمان پوری کر دیا کرتے تھے ۔

خدا کا شکر ہے کہ قرآن مجید کی سمجھنے میں میں نے توجہ کی اور اس کا واسطہ ذریعے حضرت شیخ الہند ہے جو علماء دیوبند میں ایک خاص پایہ کے مالک تھے اور ہمارے شیخ ہمعصر علماء جن کے پاس جاکر لوگ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ہ

سورۂ بقرۃ

سب سے پہلے مدینہ میں جو سورۃ نازل ہوئی وہ سورۂ بقرۃ ہے اور یہ بمنزلہ صحائف تورات کے ہے ۔ خدا نے اس میں ان چیزوں کا اور ان باتوں کا اعادہ کیا ہے جو اس سے علم حاصل کرتے تھے اور فائدہ اٹھاتے تھے ان میں سے چار پانچ علماء کو میں جانتا ہوں ۔

میں اپنے شیخ کے شیخ مولانا محمد قاسمؒ کی تصانیف کے مطالعہ میں مشغول ہوا، اور میں ان طلبہ کی وفا داری کو جانتا ہوں جو ان تصانیف کی طرف متوجہ ہوئے ۔

اس کے بعد میں ترقی کی اور امام ولی اللہ دہلویؒ اور ان کے صاحبزادے امام عبدالعزیز دہلویؒ اور ان کے معتمد مولانا محمد اسمٰعیل شہیدؒ کی تصانیف کی طرف متوجہ ہوا ۔ یہ حضرات وہ ہیں جن کو ہندوستان کے اکثر علماء جانتے ہیں اور ان کی عزت کرتے ہیں اور ایسی عزت جو بڑے بڑے مجتہدین کی کرتے ہیں یا اکابر شیوخ طریقت کی کرتے ہیں ۔ اس بیان سے میرا مقصد یہ ہے کہ ان کا طریقہ مخفی نہیں ہے ۔ صرف غفلت و بے خبری کی وجہ سے ان کی تصانیف سے مستفید نہیں ہو رہے ہیں ۔

میں خدا کی حمد اور اس کا شکر بجا لاتا ہوں کہ اس نے ایسے اسباب مہیا کر دیئے جن سے مجھے ان حضرات کے طریقہ پر فہم کتاب اللہ کی توفیق بخشی اور یہی نہیں بلکہ میں نے اس کو اپنی زندگی کا مقصد بنا لیا ۔

بسا اوقات میرے قلب میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ کاش میرے پاس کوئی آدمی آتا اور جس طرح میں نے ان حضرات کی کتابوں سے فائدہ اٹھایا ہے ۔ وہ بھی اٹھاتا ۔ اور یہ خیال اس لئے پیدا ہوتا کہ میں اپنی ذات کو حقیر و بے بضاعت سمجھتا تھا ۔ لیکن الحمدللہ میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ بہت سے آدمیوں نے مجھ سے مری زندگی میں فائدہ اٹھایا ۔ حالانکہ یہ لوگ خود عقل صالحہ رکھتے تھے اور مجھ سے بہتر سمجھتے تھے ۔ دینی اور دنیوی امور مجھ سے بہتر جانتے تھے ۔ ایسے حضرات نے صرف قرآن عظیم کی فہم و بصیرۃ مجھ سے حاصل کی ۔

اس کے بعد میں نے ایک گروہ کو قرآن کا درس دیا جنھوں نے اپنی زندگی کا مقصد قرار دے دیا ۔ قرآن عظیم پر غور و تدبر ۔ تذکر و تفکر کو زندگی کا اہم مقصد بنا لیا اور ان سے جوق در جوق لوگ قرآن کا درس لیتے رہے ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پیشتر مکہ میں نازل ہوچکی تھیں اور کتابی شکل میں منظم کیا گیا تھا۔ اور اس پر اس کا اضافہ کیا گیا جو مکی سورتوں میں جہاد اور خلافت کے مسائل اجمالاً اور مبہم بیان کئے گئے تھے اس کی تفصیل کی گئی۔

اس سورۃ میں خاص طور پر بنی اسرائیل پر حجت قائم کی گئی ہے۔ جس طرح مکی سورتوں میں قریش پر حجت قائم کی گئی تھی اور یہ اس لئے کیا گیا کہ قریش مکہ اور بنی اسرائیل ایک طرز کے تھے۔

قریش کو سمجھنا ہم پر واجب ہے قریش میں تین سیاسی گروہ تھے ایک گروہ حنفاء کا تھا۔

اس کے بعد میں کہتا ہوں جو لوگ کہتے ہیں کہ اس زمانے میں فہم قرآن ناممکن و محال ہے میں کہتا ہوں ایسا کہنے والے ضال و گمراہ ہیں۔ اور پروردگار کی جانب سے اس کے دلائل موجود ہیں قرآن عظیم کا سمجھنا بہت آسان ہے۔ جس طرح میں سمجھتا ہوں ہر مسلمان کے لئے سہل و آسان ہے۔

پھر یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ اس زمانے میں قرآن کا سمجھنا محال اور ناممکن ہے جب میں اس گروہ میں ایسے لوگ پاتا ہوں جو مہدی کا انتظار کر رہے ہیں۔

کیا یہ لوگ خدا کا شکر نہیں بجا لاتے کہ خدا نے ان کو قرآن دیا اور اپنی نعمتوں سے انہیں نوازا۔

الفاتحہ:

سورۂ فاتحہ کا نماز میں پڑھنا نماز ہے، طہارت و پاکی اور توجہ الی القبلہ نماز کی مبادیات میں سے ہیں اور رکوع و سجود تکملات نماز میں سے ہیں۔ اصل نماز پروردگار کے سامنے خشوع و خضوع اور حضور ہے کہ انسان اپنی فکریات، خیالات، ضروریات اس کے سامنے پیش کرے۔

پس نماز کا اصل مقصد یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے صراط مستقیم کی ہدایت کی دعا کی جائے اور اس کے ساتھ دوسری سورت ہم ملائیں کہ یہ جواب ہے اللہ تعالیٰ کی جانب سے کہ ہدایت یہی قرآن ہے جو تمہارے لئے آسان ہے اس سے تمہیں ہدایت ملے گی۔

پھر تم رکوع اور سجدہ کرو کہ یہ مقبولیت دعا کا شکریہ ہے۔ ہمارے نزدیک یہی نماز کے معنی ہیں جس کو ہمارے شیخ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے بیان کئے ہیں۔

اس پر ہم کچھ زائد کہتے ہیں جو شخص مسلمانوں کی جماعت سے مل کر نماز ادا کرتا ہے وہ مسلمان ہے اور یہی مسلمانوں پر آج بھاری ہو رہا ہے۔

ابوسعید السندھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جن کا میلان طبع اور رجحان طریقہ ابراہیمؑ اور طریقہ اسمٰعیلؑ کا فقط احیاء کیا جائے اور دعوت کے ذریعہ تمام عالم پر غلبہ حاصل کیا جائے۔ اور یہ وہ اس لئے چاہتے تھے کہ ان کے پاس روایات اور بشارتیں اس کی متواتر اور متوارث چلی آتی تھیں کہ ان میں ایک نبی اور پیغمبر ایسا آئے گا جو کرہ زمین پر غالب ہوگا۔ ان روایات اور بشارتوں کی وہ تصدیق کرتے تھے اور ان پر انہیں یقین کامل تھا۔

دوسرے گروہ کا میلان طبع روم کی طرف تھا۔

اور تیسرے گروہ کا میلان طبع اور رجحان فارس اور ایران کی طرف تھا ان دو گروہ کا خیال تھا کہ روم اور فارس ہم سے مل جائیں گے تو پوری زمین پر ہم چھا جائیں گے اور کرۂ زمین کے معمورہ پر ہمارہ قبضہ ہو جائے گا اور ساری دنیا پر ہم غالب ہو جائیں گے۔

اسی طرح یہود کا اعتقاد تھا کہ ان میں کوئی نبی ہو گا۔ پھر یہ لوگ اس کتاب کے احکام جو ان کے پاس موجود ہیں ان کو جاری کریں گے۔

اس کے بعد مدینہ کو سمجھو کہ اس زمانے میں مدینہ نام تھا چند قبائل کے مجموعہ کا، اوس و خزرج عرب تھے۔ اور قریظہ اور بنی نضیر اور بنی قینقاع یہود تھے اور ان قبائل کی آبادیاں سب قریب قریب تھیں اور ان سب کا نام "یثرب" تھا اور اسلام کے بعد اسی کا نام "مدینہ" ہوا۔

میرے خیال کے مطابق ان لوگوں نے یہ نام سورۂ "یٰس" سے اخذ کیا ہے کیونکہ بعثت نبویؐ سے دسویں سال ایک وفد یثرب سے آیا تھا۔ جس کا مقصد یہ تھا کہ قریش مکہ کے ساتھ کوئی ایسا معاہدہ ہو جائے کہ جب کوئی دشمن ان کے مقابلہ میں آئے تو قریش ان کی امداد کریں۔ اسی دوران میں وفد کی ملاقات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ہو گئی۔ رسول اللہؐ نے ان کو دعوت اسلام پہنچائی اور ان سے کہا کہ میں دعوت اسلام دینے کے لئے آنے والا ہوں میری امداد کی جائے۔ وفد میں ایک نوجوان تھا اس نے اس رائے کو پسند کیا اور وفد سے اس نے کہا جس غرض و مقصد کے لئے ہم آئے ہیں اس کے لئے یہ بہترین شخص ہے۔ شیوخ وفد نے اس نوجوان کو خاموش کر دیا۔ لیکن یہ نوجوان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو سے بہت متاثر ہوا۔ اور غور و فکر کرتا رہا۔ مدینہ پہنچ کر اس نے دعوت اسلام کو بہت فروغ دیا۔ تا آنکہ ۱۱ھ میں ایک وفد پھر مکہ آیا۔ اور آپ کو ہجرت کی دعوت دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اپنا ایک داعی بھیج دیا اور ۱۲ سنہ میں ہجرۃ قرار پا گئی۔

پس مدینہ میں اسلام کی نشرو اشاعت بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے دسویں سال ہوئی۔ ہمارا خیال ہے کہ حرف ـ ی ـ جس کے عدد دس ہوتے ہیں اس سے مناسبت رکھنا ہے، حرف ـ ی ـ جو یٰسین میں ہے اسی کی طرف اشارہ ہے (۱)

سورۂ "یٰسین" میں ہے۔

وجاء رجل من اقصی المدینة یسعی قال یا قوم اتبعوا المرسلین (آیت ۲۰)	اور ایک شخص مسلمان اس شہر کے کسی دور مقام سے دوڑتا ہوا آیا اور کہنے لگا کہ اے میری قوم ان رسولوں کی راہ پر چلو۔

اس مناسبت سے یثرب کا نام مدینہ رکھا گیا مدینہ میں اسلام کی نشرو اشاعت اس نوجوان کے ذریعہ ہوئی اور اس کے بعد دو دو فذ مکہ میں آئے۔

ہم کہتے ہیں مدینہ میں تین قبیلے یہود کے اور دو قبیلے عرب کے آباد تھے اور مدینہ کے باشندوں پر یہود کا اجتماع تھا۔ اور یہود ہی مدینہ پر چھائے ہوئے تھے۔ قبیلہ اوس اور خزرج اکثر امور اجتماعیہ میں یہود کے پیرو تھے، ہر قسم کے معاہدے، اور ہمہ قسم کے امور انہی سے اخذ کرتے تھے۔ لیکن اپنے طریقہ صابئیہ پر رہتے ہوئے کرتے تھے گو ان میں سے بعض یہودی بن چکے تھے۔

پس جس طرح مکہ میں حنفاء متقدم و پیشوا تھے۔ مدینہ میں یہود متقدم و پیشوا تھے۔ تو سورۂ بقرہ یہود اور قریش دونوں کے بارے میں نازل ہوئی کیونکہ یہ دونوں امتیں تقدم اور پیشوائی کی دعویدار تھیں اور یہی دو دنیا جہاں کے رہبر بننے کے آرزو مند تھے۔

پس ہم نے ثابت کر دیا کہ اہل قرآن ہی متقدم و پیشوا ہوں گے نہ اہل تورات۔ یہی حق ہے اور بالکل حق ہے۔

الٓمٓ (۱) ہم اس کلمہ کی تفسیر اپنی فہم و سمجھ کے اعتبار سے کرتے ہیں۔ آج ہم امام ولی اللہ دہلوی کے طریقہ پر اس کی تفسیر پیش کرتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں لغت عرب میں حروف مقطعات کے

لہ یہ باعتبار حساب ابی جاد کے ہے۔ ابو سعید سندھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انفرادی حیثیت سے کوئی معنی نہیں ہیں ۔ ایک طویل مجاہدے کے بعد اس کے معنی مستنبط کرنا ممکن ہے مثلاً ان کلمات کو دیکھیں جو ثلاثی ہیں ۔ جب ان کلموں میں دو حرف ایسے ہوں جن کے معنی تمام کلمات میں ایک ہوں ۔ مثلاً "ج" اور "ن" ۔ جب یہ دو حرف ایک کلمہ میں آئیں تو اس کے معنی ستر کے ہوں گے مثلاً "جن" اور "جنین" اور "جنت" وغیرہ ۔

پھر ہمیں دوسری طرف متوجہ ہونا چاہیئے ۔ ان حروف کو علیحدہ کر لیجئے ۔ تو صرف نون کے معنی اور ہوں گے ۔ اور جیم کے معنی اور ہوں گے ۔ اور یہ باعتبار مادۂ حروف مقطعات سے ہے اور باعتبار حروف کی سورتوں سے کہ ان کا مخرج کیا ہے ۔ حلق سے نکلتے ہیں یا ہونٹوں سے یا زبان سے تو ان حروف کے معنی دوسرے ہوں گے ۔

جب ایک ماہر لطائف عربیہ اور عارف رموز بلغا ان حروف کی تعبیر اور اشاروں کو سمجھ لیتا ہے تو ان مقطعات سے باخبر ہو جاتا ہے ۔ اور ان مقطعات کے معنی بھی سمجھ لیتا ہے ۔ اور امام شاہ ولی اللہ رحؒ نے حروف مقطعات کے سمجھنے اور اس کے معنی حل کرنے میں یہی طریقہ اختیار کیا ہے ۔ نہ کوئی دوسرا طریقہ ۔

پھر صرف لغت عربیہ ہی ان لطائف و محاسن سے مخصوص و مختص نہیں ہے بلکہ سنسکرت میں بھی یہ لطائف و محاسن موجود ہیں ۔ اور سنسکرت جاننے والوں کے یہاں مستعمل ہے لیکن چونکہ قرن اولیٰ میں اس زبان کے جاننے والے نہ تھے اس لئے ان لطائف و محاسن سے آگاہ نہ ہو سکے ۔ بعد میں ہندوستان میں بعض مسلمان ایسے ہوئے ہیں جو عربی اور سنسکرت میں پوری پوری مہارت رکھتے تھے ۔ پہلا شخص اس میں مہارت رکھنے والا مسعود سلیمان لاہوری ہے ۔ ان کے قصائد عربی اور سنسکرت میں موجود ہیں ۔ اور یہ غزنوی حکومت کے دور میں ہوا ہے درحقیقت عربی اور ہندی کو مخلوط کرنے والے یہی ہیں ۔ مسعود سلیمان پہلا شخص ہے جس نے ہندوستانی زبان کو عربی سے آشنا کیا ۔ اور طبقہ وسطیٰ میں امیر خسرو ہیں ۔ اور متاخرین کے طبقہ میں غلام علی بلگرامی صاحب کتاب سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان ہیں ۔[1]

---

[1] سید غلام علی بلگرامی شیخ محمد حیات سندھی مدنی کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں ۔ انہوں نے جامع صحیح بخاری اور دیگر کتب حدیث مدینہ منورہ میں شیخ حیات سندھی سے پڑھیں ہیں ۔ دیکھو سبحۃ المرجان ۔ ابو سعید سندھی ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور سید غلام علی صاحب کے چچا سید مرتضیٰ بلگرامی زبیدی شارح قاموس اور احیاء ہیں۔

سید مرتضیٰ زبیدی ان دونوں علوم سے خوب واقف اور ماہر تھے۔ اس درجہ پہنچے ہوئے تھے کہ عربی اور سنسکرت زبانوں میں دریاؤں کو سمیٹ لیا اور سنسکرت سے اخذ کرکے عربی قصیدے نظم کئے۔

ہمارے زمانے میں ایک زبردست آدمی اس فن کا ماہر سید علی بلگرامی ہے جو یورپ میں ایک مسلم استاذ کی حیثیت سے کام کرتے تھے۔ المانی، جرمنی، انگریزی زبانوں سے خوب واقف تھے۔ یہ جامع علی گڑھ، علی گڑھ یونیورسٹی کے زبردست آدمی تھے۔ ان کا پایہ سنسکرت میں بہت اونچا اور بلند تھا۔

مقصد یہ ہے کہ وہ معنی جس کا استخراج امام ولی اللہ نے عربی سے کیا ہے۔ جس طرح کہ وہ معنی جس کا استخراج ہم نے عربی زبان میں یہود سے کیا ہے۔

پھر امام ولی اللہ نے شخص اکبر کو اپنی حکمت میں شخص اصغر سے مانند گردانا ہے اور خطیرۃ القدس[1] کو اس کا دماغ اور زبان قرار دیا ہے۔

تو جس طرح شخص اکبر حروف سے کلام کرتا ہے تو سننے والا اگر عقلمند اور صاحب دانش ہے اس کی آواز کے اعتبار سے اس کے معنی سمجھ لیتا ہے۔

پس کلام اللہ اور اس کی کتاب میں اس حالت کی طرف اشارہ ہے جو خطیرۃ القدس میں پائی جاتی ہے اور یہی تشبہ ہے لسان شخص اصغر سے حروف نکلنے کے۔

مثلاً ۔ ا ۔ اقصیٰ حلق سے نکلتا ہے اس میں اشارہ ہے ان علوم مستورہ کی طرف جو بطن تجلی اعظم میں موجود ہیں۔ اور جو عرش پر قائم ہیں۔ جو بہ نسبت خطیرۃ القدس کے قریب ہیں۔

---

[1] جاننا چاہیئے کہ ارواح بشریہ کا ایک حضور مقام ہے جہاں سے وہ اپنی طرف کھینچتی ہیں۔ جس طرح مقناطیس لوہے کو جذب کیا کرتا ہے۔ یہی حضور اور یہی مقام ہے جس کو خطیرۃ القدس کہتے ہیں۔ یہی مقام نقوش مجردہ عن جلابیب الابدان ہے جہاں وہ روح اعظم سے ملتی ہیں۔ جہاں ارواح بشریہ اور رُوح اعظم ملا کرتی ہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تعریف کثرہ وجوہ اور کثرۃ لسان و لغات سے کی ہے اور یہ صورۃ انسانی کا عالم مثال میں ایک تشبیح ہے (تفصیل کے لئے دیکھو حجۃ اللہ البالغہ ج ا ص ۳۶ طبع مصر) ابو سعید سندھی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پھر۔ ل۔ کو لو اس کا مخرج وسط مخارج ہے۔ یہ اشارہ ملائکہ حاملین عرش اور عرش کے ارد گرد گھیرے ہوئے فرشتوں کی طرف ہے۔ جو نزول برکات تجلی اعظم سے خطیرۃ القدس کی طرف واسطہ اور ذریعہ ہیں۔

پھر۔ م۔ اس کا مخرج ہے یا آخر المخارج ہے اس طرح کہ علوم و برکات خطیرۃ القدس سے خارج کی طرف جارہے ہیں اور یہ معنی میرے نزدیک معقول معنی ہیں۔ اگرچہ اس میں کچھ غموض و دقت ضرور ہے۔

اور ہم نے ذکر کیا ہے کہ یہاں سات زمینیں موجود ہیں اور اسی بنا پر ہم نے کہا ہے کہ سات امتیں مختلف عقلیہ ہوں گیں۔ تو علوم و معارف کا نزول ان کی طرف ان کی عقلوں اور استعداد کے اعتبار سے مختلف ہوگا۔ اور ایسا ہونا ضروری ہے۔ جب ہم ان مختلف امتوں کو حرف "میم" لیویں تو ایک ہی مطلب سات وجوہ سے مختلف ہوگا اور معنی ایک ہی ہوں گے اور اس سے "الٓمٓ" کو مکرر لانے کا فائدہ سمجھ میں آئے گا۔

فواتح سورۃ میں جن سورتوں کا افتتاح ہوا ہے وہ چھ ہیں بقرہ، آل عمران، عنکبوت، روم، لقمان اور سجدہ دوسری سورتوں میں بھی یہ لایا گیا ہے لیکن اس کے ساتھ دوسرے حروف ملا دیئے گئے ہیں۔ مثلاً سورۂ اعراف کہ اس میں "الٓمٓ" کے ساتھ "ص" ملا دیا گیا ہے اور سورۂ "رعد" میں "ر" ملا دیا گیا ہے۔

جب ایک مفکر اس طریقہ پر غور و تدبر کرے گا تو سارے قرآن کو ایک عمدہ تناسق و تناسب کے ساتھ پائے گا۔ اور قرآن کی ہر شئے میں بہتر سے بہتر مناسبت دیکھے گا اگر کسی جگہ حکمت اجمالیہ، اسمائیہ بمقابلہ اتم مذکور ہے۔ تو دوسری جگہ دوسرے اسلوب سے اس کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ مثلاً جہاں کفار اور شیاطین سے مخاصمہ کا ذکر ہے یا اتباع اور متبوعین کے ساتھ حشر میں جہنم کا ذکر ہے۔ یا کلام ملائکہ یا کلام انبیاء و سابقین سے مخاصمہ کا ذکر ہے۔

پھر یہ کہ مخاطبین سے صورۃ معینہ پر اعمال و عقاید اور احوال پر مناظرہ وغیرہ بھی لطائف علوم اور اس کے محاسن میں سے ہے۔

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ سورۂ بقرہ میں یہود سے خطاب ہے۔ کیونکہ یہ زمین مقدس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی مرکزی امتوں میں سے ہیں ۔

جب ہم ۔ الٓمٓ ۔ کی تفسیر اور اس کے معنی اور مطلب بیان کرنے سے فارغ ہوتے تو اب ہم خدا کے اس قول کی وضاحت کی طرف متوجہ ہوتے ہیں ۔

ذالک الکتاب لاریب فیہ یہ کتاب ایسی ہے جس میں کوئی شبہ نہیں متقیوں

ھدی للمتقین (۲) کو راہ ہدایت تبلانے والی ہے ۔

اجتماع مکی میں تعلیمات قرآنی کے شیوع کے متعلق ہمارا نظریہ یہ ہے کہ مکہ میں اس کی تعلیم سے حکومت اجتماعیہ کی تخلیق ہوئی جو لوگ اسلام لائے تھے اپنے امور و معاملات میں کوئی فیصلہ کرنا چاہتا ہے تو سوائے قرآن کے وہ فیصلہ نہ کرتے ۔ اور یہ فیصلہ اس داعی کے ذریعہ ہوتا جوان میں موجود ہوتا تھا ۔ اس واسطے اس ذریعہ سے قرآن کے مطابق فیصلہ ہوتا ۔ اگر اس داعی کے پاس اس واقعہ اور معاملہ علم کا ہوتا یا اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلیم قرآن کے وقت فیصلہ دیتے سنا تھا ۔ تو اس کے مطابق یہ فیصلہ دیتا اور اگر ایسا نہ ہوتا تو ذات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرتے ۔ اس طرح یہ لوگ کسی کی حکومت کو تسلیم نہیں کرتے سوائے حکومت قرآنی کے کسی حکومت کے سامنے نہیں جھکتے تھے سوائے خدا کی حکومت کے ۔ لیکن ایسا فقط مسلمانوں میں اور مسلمانوں کے ساتھ ہوا کرتا تھا ۔ غیر مسلموں کے ساتھ ان کے معاملات ۔ عوائلی اور قبائلی تعلقات و معاملات ان کی پرانی اور قدیم عادتوں کے مطابق ہوا کرتا تھا ۔ مثلاً دشمنوں ولا اور دوستی وغیرہ ایسے عوائد و معاملات میں قرآن انہیں اجازت نہیں دیتا تھا کہ وہ ان میں کچھ دخل دیویں یا ان میں تبدیلی کریں بلکہ قرآن انہیں صبر و انتظار کی تلقین کرتا تھا ۔ تا آنکہ اس بارے میں حکم خداوندی کے لئے زمین ہموار ہو جائے ۔

غرض ! مکہ میں تعلیم قرآن کے ذریعہ ایک ایسی حکومت قائم ہوگئی جس کا تذکرہ ہم نے کیا اور جماعت صالحہ ایسی تیار ہوگئی جو یہ جانتی تھی کہ روئے زمین پر ایک ایسی حکومت قائم ہو جائے جو عدل و انصاف اور احسان کو عام کر دے ۔ اس جماعت کا مقصد یہ تھا کہ قبائل میں سب سے پہلے صلہ رحمی کا سلسلہ قائم ہو جائے اس کے بعد سارے انسانوں میں صلہ رحمی کا سلسلہ قائم ہو جائے دوسرے معنوں میں کہنا چاہیئے اس جماعت نے تعلیمات کتاب اللہ کے ذریعے انسانیت کو اسکی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فطرت کی طرف لوٹایا۔ جس پر انسان مفطور ہے اور یہ لوگ انسانیت اور تعلیمات قرآنی کے درمیان حاجز و دیوار بنے ہوئے تھے۔ جس کی شہادت فطرت انسانی ہرگز نہیں دے سکتی تھی۔ اور یہی مراد ہے تقویٰ سے اور ذوالقرباء کو دینے سے کہ تقویٰ اور ذوی القرباء کو دینے سے یہی مقصد تھا کہ صلہ رحمی کا سلسلہ قائم رہے۔

اور یہ جماعت جس کو کتاب اللہ نے پیدا کیا اس کے افراد قریش، غیر قریش، عرب، یہودی نصاریٰ اور مجوس تھے۔

جو شخص اصول نبوت کا اعتقاد رکھتا ہے اور انسانوں کے پاس جو منزل من اللہ کتابیں موجود ہیں۔ اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ پھر اس جماعت کا دوسری جماعتوں سے مقابلہ کرے تو جس کو تعلیمات کتب سابقہ نے پیدا کیا ہے اور جس کو اس کتاب نے پیدا کیا ہے۔ زمین و آسمان کا فرق پائے گا۔

تعلیمات کتب سابقہ نے جو جماعتیں پیدا کیں وہ ناقص اور ان کا ارتقاء ناقص تھا۔ تو جو کتابیں اللہ تعالیٰ کی جانب سے انبیاء پر نازل ہوئیں وہ ناقص الارتقاء ہیں۔ تو پھر یہ کتاب جس نے ایک کامل الارتقاء کامل ترین طریقہ پیش کیا اور ایسی جماعت پیدا کی کہ اس کی مثال سابقہ امتوں میں نہیں پائی جاتی تو کیا یہ کتاب خدا کی جانب سے نہیں ہوسکتی اور کیا کوئی عاقل شخص اس کتاب سے ایسا ہونے سے انکار کرسکتا ہے؟ کلا۔ ثم۔ کلا ہرگز نہیں ہرگز نہیں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ تورات پر ایمان لانے والے اس لئے ایمان لائے تھے کہ انسانیت پر اس کی تاثیر و اثر تھا۔ اور تعلیم تورات کے اثر و نتیجہ اس کے اندر موجود تھا۔ پس جب تعلیماتِ قرآنی کی تاثیر و نتائج زیادہ موثر، زیادہ قوی اور کامل الارتقاء تھے۔ اور تورات کے مقابلہ میں اس کی ہدایت قوی تر اور مضبوط ہے۔ تو ایک منصف مزاج آدمی فیصلہ کر سکتا ہے اور کہہ سکتا ہے قرآن اگر زیادہ نہیں تو کم سے کم تورات کے برابر تو ہو کہ یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے۔

پس آیت کے معنی ہمارے نزدیک یہ ہیں کہ یہ کتاب ان متقیوں کے لئے ہدایت ہے جو کہ میں تعلیمات کتاب اللہ کے ذریعے تیار ہوئے۔ اور یہ دلیل ایک قوی دلیل ہے کہ یہ کتاب ایسی ہی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جملۂ معترضہ

جمہور مفسرین نے اوائل قرآن کی تفسیر میں ایک خبط اور زبردست الجھن پیدا کر دی ہے۔ ایک طالب علم جب قرآن پڑھتا ہے اور اس پر غور و تدبر کرنا چاہتا ہے۔ اور مفسرین کی تفاسیر دیکھتا ہے تو اس کی یہ حالت ہوتی ہے کہ یا تو قرآن کی عظمت و جلالت اس کے دل سے اٹھ جاتی ہے۔ یا مفسرین سے یکسر انکار کر دیتا ہے۔ اور مفسرین کو جاہل، بے علم سمجھنے پر مجبور ہو جاتا ہے اور یہ اس لئے ہوتا ہے کہ عامہ مفسرین نے یہ فرض کر لیا ہے کہ قرآن کے مخاطب وہ اعراب بادیہ تھے جو اجتماعیت و انسانیت کو سمجھ ہی نہیں سکتے تھے اور یہ سب کے سب یا تو سوفسطائی تھے جو ہر چیز کا انکار کرتے تھے۔ یا وہ اعراب قرآن کے مخاطب تھے۔ جو امور دین کو نہیں سمجھتے تھے۔

اور مفسرین کے خبط و الجھنوں کا سبب یہ تھا۔ عصر نزول قرآن کے اجتماع عربی کو وہ سمجھ ہی نہ سکے ان لوگوں نے کتب فلاسفہ دیکھیں اور سوفسطائیوں کی رائیں لے لیں۔ اور دین کی ہر چیز سے انکار کر دیا۔ اور اعراب بادیہ کو قرآن کی اوائل سورتوں کا مخاطب گردانا۔ پھر ان لوگوں نے ان سورتوں کو ایسے جہال کے سامنے پیش کیں جو اپنی جہالت کی وجہ سے ادنیٰ درجہ کے جہال تھے۔

ان لوگوں کو کوئی راہ نہ ملی کہ وہ اس پر چل سکیں۔ مگر یہی تاویل بعید جو آیات قرآنی پر منطبق نہ ہوسکے پھر لگے کہنے کہ قرآن صادق ہے۔ سچ کہتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ سورج روشن ہے لیکن اندھا اسے دیکھ نہ سکے اور قرآن کی ہدایت جہلا مضلین کے لئے ہے۔

جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ متقیوں کے لئے کس طرح ہدایت ہے؟ تو اس کی تاویلیں کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں متقی وہ ہیں جو خود ہدایت چاہتے ہیں۔ اور پھر یہ لوگ "تقویٰ" کے معنی بھی نہیں سمجھتے، اگر سمجھتے ہیں تو وہی معنی جو مفسرین اپنی تفسیروں میں لکھ گئے ہیں۔ جو عدالت شہود وغیرہ میں کام آئے۔ جب تقویٰ کے معنیٰ مخاطبین پر منطبق کرنا چاہتے ہیں تو ادنیٰ سے ادنیٰ مناسبت بھی اس میں نہیں ہوتی۔

جبکہ مفسرین کا یہ حال ہے۔ اور اپنی ذات سے شکوک و اوہام کی ایک گہری کھائی میں پڑا ہوا ہے۔ باوجود اس کے پوری قوت سے اس سے نجات پانے کے لئے حیلے تراشتا ہے اور طالبین

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علم کو قرآن سمجھاتا ہے لیکن غریب ومسکین طالب علم ہے کہ وہ اپنے نفس کو شکوک وشبہات ہی میں گھرا ہوا پاتا ہے۔ اس کے قلب میں شکوک شبہات باقی ہی رہتے ہیں۔

تو کیا اس حالت میں قرآن حکیم پر غور وتدبر سے اعراض وروگردانی نہ کرے اور دوسرے علوم و فنون کی طرف توجہ نہ کرے اور ان علوم میں پوری پوری کوشش نہ کرے اور یہ اعتقاد نہ رکھے کہ قرآن حکیم کا سمجھنا متاخرین کے لئے ناممکن ہے؟

اور میں خود جب "متقین" کے معنی جیسا کہ مفسرین نے اس کی تفسیر کی ہے پڑھتا تھا، تو میں خود متحیر اور پریشان تھا اور میں کہا کرتا تھا "التقوی" کے معنی تو مخاطبین کے نزدیک نہایت مشہور ہیں اور ہر خاص وعام کو سمجھتا ہے کیونکہ قرآن ان لوگوں کو ہدایت کرتا ہے جو اس کو سمجھتے ہیں۔

تقویٰ کے معنی سمجھنے میں میں نے تقریباً بیس برس کوشش کی۔ اپنے ہمعصر اور دوستوں سے پوچھتا رہا کہ تقویٰ کے معنی کیا ہیں؟ تمام کو مجھ سا پایا۔ اور غالب یہ ہے کہ مفسرین نے اس کی تفسیر کی ہے وہی انھوں نے پیش کیا کہ تقویٰ اجتناب کبائر اور صغائر سے بچنے کا نام تقویٰ ہے میں نے خود کبیرہ اور صغیرہ سے متعلق بحث اور غور وتدبر کیا مجھے پتہ نہ چلا کہ فلاں گناہ کبیرہ ہے اور فلاں صغیرہ تا آنکہ میں نے ایک فقیہہ دین یعنی ابن حجر کی "کتاب الکبائر" دیکھی۔ اس کتاب میں انھوں نے کئی سو کبائر گنوائے ہیں۔ میں نے اپنے نفس میں کہا اگر تقویٰ کے یہی معنی ہیں۔ اور تقویٰ کے معنی ان کبائر سے بچنے اور صغائر پر اصرار نہ کرنے کے ہیں تو پھر قرآن نے آج تک ایک متقی بھی پیدا نہیں کیا۔

میں نے میرے ہندوستانی بھائیوں کو دیکھا ہے کہ وہ بھی اسی قسم کی تاویلیں کرتے ہیں۔ اور ان کے پاس کوئی ایسی چیز نہیں تھیں جس سے قلوب کو سکون واطمینان نصیب ہو۔ تو میں نے تفسیر کے اس طریقے سے قطعاً انکار کر دیا۔ میں اپنے دیوبندی مشائخ پر پورا اعتماد رکھتا ہوں، مثلاً مولانا محمد قاسمؒ وغیرہ۔ اور میرا ان حضرات سے متعلق یہ اعتقاد ہے کہ ہر چیز میں وہ مقلد محض نہیں ہیں، خود مجتہد ہیں، اپنے اجتہاد سے کام لیتے ہیں۔ اور حضرت امام شاہ ولی اللہؒ اور ان کے پیرؤں پر اعتماد کرتے ہیں میں نے ان کی تفاسیر میں تقویٰ کے معنی دیکھے۔ اللہ تعالیٰ نے میری راہ نمائی فرمائی۔ میں نے امام شاہ عبد العزیزؒ کی تفسیر دیکھی تو میرے قول کے مطابق اس کو پایا۔ وہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لکھتے ہیں :

این دایہ شیردہ این جوان است   یہ دایہ اس جوان کو دودھ پلانے والی ہے ۔

اس کے معنی یہی ہیں کہ یہ جوان قوی اور مضبوط ہے کہ اس نے اس کا دودھ پیا ہے تو میں نے اپنے مقصد کی طرف راہ پالی ۔ پس میں کہتا ہوں کہ میں نے ان لوگوں میں تقویٰ تعلیم کتاب سے پایا تو یہ کتاب بالبدیہ حق ہے پھر اس فکر کو میں نے میری جانب سے اس کے مناسب پھیلائی ۔ تو فہم قرآن میں ایک دوسرا دروازہ مجھ پر کھل گیا ۔

پھر میں نے اپنی فکر کو اقران واخوان کے سامنے پیش کی تو بہت خوش ہوئے اور مجھے فائدہ عظیمہ کی خوشخبری سنائی ۔ اس کے بعد میں نے دیکھا کہ امام ولی اللہؒ کی جماعت کی حیثیت فہم قرآن میں مجددین کی سی ہے ۔

ان سے مستفید ہونے کے بعد ہم نے متقدمین کی کتابوں سے بہت فائدہ حاصل کیا اور ہمیں اس کا بھی یقین ہوگیا کہ اگر ہم نے درمیان سے ائمہ مفسرین کو حذف کر دیں تو مستفید نہیں ہو سکتے مثلاً رازی اور بیضاوی اور ان کے امثال کی کتابیں ۔

اس کے بعد میرے قلب میں اللہ تعالیٰ کے قول " ھدی للمتقین " (متقیوں کے لئے ہدایت ہے) طریقہ امام عبدالعزیزؒ کے مطابق اس کے معنی راسخ ہو گئے ۔ تو میں نے مزید وضاحت امام رازی کے کلام سے چاہی جس کا ذکر علامہ تفتازانیؒ نے شرح عقائد نسفی میں کی ہے ۔ جس کا ماحصل یہ ہے ۔ امام رازی کہتے ہیں :

> ہمارے نبی پیغمبر کی نبوت پر معجزے سے استدلال کرنا زمانہ متقدم میں تھا ۔
> لیکن اس وقت جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بے شمار اور مختلف امتوں کی ہدایت ثابت ہوگئی اور آپ کا دین قائم ہوگیا ۔ اور لوگوں کے قلوب میں راسخ ہوگیا ۔ تو اب معجزہ سے استدلال کرنے کی ضرورت نہیں ہے ۔ اور یہ کہنے کی ضرورت نہیں رہی کہ معجزہ نبوت کی دلیل ہے یا نہیں ہے ؟

اس امام کے قول سے میرے ذہن میں یہ بات آگئی اور میں نے کہا کہ اثبات نبوت ہمارے نبی کی مدینہ میں معجزات پر موقوف نہیں تھی ۔ کیونکہ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیمات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے "مکہ" میں ایک جماعت صالحہ ایسی پیدا کردی تھی جو خیر امۃ اخرجت للناس (بہترین امت جو لوگوں کی ہدایت کے لئے کھڑی کی گئی تھی) یہ آپ کی نبوت پر ایک زبردست دلیل ہے۔ میرا خیال ہے یہ طریق تفسیر زیادہ واضح اور زیادہ روشن ہے۔

اب ہم اللہ تعالیٰ کے قول

ذالک الکتاب لاریب فیہ — یہ کتاب ایسی ہے جس میں کوئی شبہ نہیں۔

کی تفسیر کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ حنفاء کی مراد کتاب سے توراۃ ہے جب "توراۃ" کتاب ہے تو "قرآن" زیادہ مستحق ہے کہ اس کا نام کتاب رکھا جائے۔ کیونکہ قرآن نے ایک ایسی جماعت پیدا کردی جو تعلیمات توراۃ نے پیدا کی اس سے احسن اور بہتر ہے۔

اس جماعت کی صفت جس کو تعلیمات قرآن نے پیدا کی اور بنائی یہ تھی کہ

یؤمنون بالغیب — غیب پر یہ جماعت ایمان لاتی ہے۔

اور اس تمام پر اعتماد رکھتے ہیں جس کی حکایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پروردگار سے کی ہے۔ اور اس جماعت کا یہ اعتقاد ہے کہ یہ تمام خطیرۃ القدس سے ہے۔ یہود جیسے نہیں ہیں، جنھوں نے یہ کہا تھا:

لن نومن حتی نری اللہ جھرۃ: — ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے جب تک ہم خدا کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں گے۔

یہ جماعت جس کو قرآن نے پیدا کیا تھا۔ نماز پڑھا کرتی تھی۔ بخلاف اس جماعت کے جس کو تعلیمات توراۃ نے پیدا کی تھیں اور بنائی تھی جب اس جماعت کو کہا گیا:

ادخلوا الباب سجدا وقولوا — تم دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہو

حطۃ: — اور کہو حطۃ ہماری مغفرت فرما۔

تو اس جماعت نے جو کچھ کیا یہ کیا کہ اس کے خلاف کیا جس کا ان کو حکم دیا گیا تھا۔

یہ جماعت اس رزق اور روزی سے خدا کی راہ میں خرچ کرتی تھی تھوڑا یا بہت لیکن یہودیوں کا بخل بہت زیادہ اور مشہور ہے جس کا ذکر یہاں نہیں ہو سکتا۔

جب قرآن نے ایک ایسی جماعت پیدا کردی اور ایسی جماعت بنا کھڑی کردی تو کیا توراۃ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے مقابلہ میں اس کتاب کو کتاب اللہ نہیں کہا جاسکتا۔ اس کا نام کتاب رکھنا بدرجۂ اولی زیادہ موزوں ہے۔

یہ معنی ہیں اللہ تعالیٰ کے اس قول سے:

لاریب فیہ — جس میں کوئی شبہ نہیں

اور یہ تمام جو مذکور ہوا امام شاہ عبدالعزیزؒ کی تعلیم کے ثمرات اور نتیجہ ہے

قولہٗ تعالیٰ — خدا کا فرمان ہے

الذین یومنون بالغیب ویقیمون الصلاۃ ومما رزقناھم ینفقون — یہ متقی لوگ ایسے ہیں جو غیب پر ایمان لاتے ہیں اور جو کچھ ان کو ہم نے دیا ہے اس کو اس میں خرچ کرتے ہیں۔

اور سورۂ اعراف میں ہے:

واذ اخذ ربك من بنی آدم من ظھورھم ذریتھم واشھدھم علی انفسھم۔ الست بربکم؟ قالوا بلیٰ — الی قولہ — وکذالك نفصل الآیات ولعلھم یرجعون — اور جب تمھارے پروردگار آدم کی اولاد سے ان کی پشتوں ان کی ذریعہ عہدلیا۔ اور خود ان کو اپنی جانوں پر شہادۃ لی۔ کہا کیا میں تمھارا پروردگار نہیں ہوں؟ تو انھوں کہا کیوں نہیں۔ الی قوم — اسی طرح آیتوں کی تفصیل کیا کرتے ہیں۔ اور شاید وہ لوگ اصل کی طرف رجوع کریں۔

ہم کہتے ہیں ہمارے نزدیک ثابت ہو چکا ہے کہ اللہ حق سبحانہ نے قلب انسانی میں وہ چیز پیدا کی ہے جس سے وہ اپنے رب، اپنے پروردگار کو پہچان سکے۔ اور جو قلب انسانی میں پیدا کی گئی ہے۔ اس کی تعبیر ہم "حجر بحت" سے کرتے ہیں اور یہ "حجر بحت" تجلی اعظم کا ایک ایک نمونہ ہے تکلیف کا دارومدار اسی "حجر نورانی" پر ہے۔

جب انسان حیوانیہ اور عقلیت کی موافقت میں مشغول ہوتا ہے اور اس لطیفہ کے اقتضاء سے غافل و بے خبر ہوتا ہے۔ ایک ایسا آدمی آتا ہے جس کا تعلق حظیرۃ القدس اور تجلی اعظم سے ہے اور تجلی اعظم جس کی مصاحبت کرتی ہے۔ جس کے ساتھ یہ لازم ہے تو وہ خبردار اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بیدار ہوتا ہے "حجر بحث" کے لئے جو اس کے اندر ہے تو وہ معتدل ہو جاتا ہے ۔

جب تم حکمت امام ولی اللہ میں ہمارے ساتھ ہو تو یہ کہنے میں کوئی حرج بھی نہیں ہے کہ "کتاب" ایک ایسا کلام ہے جو "حجر بحث" نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صادر ہوا ہے پہلے وہ عقل پر اترا ۔ پھر دوسری مرتبہ آپ کے پاس خطیرۃ القدس سے فرشتہ آیا اور دونوں متفق و متحد ہو گئے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعین کر لیا کہ یہ کتاب اللہ ہے ۔

اس کلام سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ کلام اللہ نے "حجر بحث" نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اثر قائم کیا پھر یہ جماعت جن کے لطائف صحبت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے صاف وستھرے پاکیزہ اور روشن ہو چکے تھے اس سے مستفید ہوئے اور لطیفۂ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لطائف پر اثر کیا ۔ جس سے اس جماعت نے تعین کر لیا کہ یہ کتاب اللہ ہے ۔

اب برابر ہے کہ اس اثر کو ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کریں ۔ یا قرآن کی طرف ہمارے نزدیک یکساں ہے ۔

جب یہ "حجر بحث" بیدار ہوا اور انسانی فطرۃ خطیرۃ القدس کی متوجہ ہوئی اس کو غیب اور ایمان کہتے ہیں ۔ اور اس سے جو صادر ہوتا ہے اس کو ایمان بالغیب کہتے ہیں ۔

پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جبرئیل سے کچھ کلام سنتے ہیں تو آپ سمجھتے ہیں یہ کلام اللہ ہے اور یقین کر لیتے ہیں کہ یہ خدا کی جانب سے ہے ۔ کیونکہ اس سے پہلے آپ پر تجلی اعظم سے آپ کے "حجر بحث" پر نازل ہو چکا تھا ۔

یہی حال ! ان متقیوں کا ہے صحبت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا "حجر بحث" بیدار ہو چکا تھا ۔ اس لئے جو کچھ ان کے "حجر بحث" وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنتے تھے ، اس کو وہ سمجھتے تھے ۔ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے اور یہی کلام اللہ ہے ۔ کیونکہ ان کے "حجر بحث" کی بیداری کی سبب سے ان لوگوں کا تعلق خطیرۃ القدس سے قائم ہو چکا تھا ۔ نیز اس اتصال کی وجہ سے وہ اپنے نفوس میں ایک چیز پاتے تھے ۔ پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ وہ سنتے تھے اور وہ اس کے مشابہ جو انھوں نے اپنے نفوس میں پہلے پایا تھا تو ان کو یقین ہو گیا کہ یہ کلام خدا کی جانب سے ہے ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور انسان کے لئے یہ مقام نبوت کے بعد اعظم اور عظیم ترین مقام ہے اس کے بعد تمام کمالات اس مقام کی فقط شرح ہوتے ہیں۔

قولہ تعالیٰ خدا کا ارشاد ہے!

ویقیمون الصلاۃ وہ لوگ نماز قائم کرتے ہیں

یعنی جو ربط و تعلق خطیرۃ القدس اور ان کے درمیان قائم ہو گیا ہے جس کو ہم غیب کہتے ہیں اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ جیسا کہ پہلے گذر چکا۔

قولہ تعالےٰ خدا کا فرمان!

ومما رزقناھم ینفقون (۳) اور ہم نے جو کچھ ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

اور اس لئے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ انسانی فطرت کسی نہ کسی چیز کی ہمیشہ محتاج رہتی ہے اور ان احتیاجات کا پورا ہونا اور پورا کر، بذل عطا، صرف و خرچ داد و دہش پر موقوف ہے۔ اور اسی غرض یہ لوگ خدا نے دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں، کم ہو یا زیادہ، اور جب یہ لوگ محتاجوں پر خرچ کرتے ہیں تو محتاج و ضرورتمندوں کے قلوب میں معطی اور متفق دینے والے اور خرچ کرنے والے کی محبت پیدا ہوتی ہے اور اسی طرح وہ محتاجوں کو خطیرۃ القدس کی طرف جذب کرتے ہیں۔ جس سے اجتماعیہ مرکزیہ مضبوط ہوتی ہے۔ اگرچہ فعلاً یہ اس سے پیشتر صحبت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی تعلیمات سے قیام مکہ کے زمانے میں حاصل ہو چکا ہے۔

پس تعلیمات قرآن سے ایک ایسی جماعت کا ظہور ایک قوی ترین دلیل اس امر کی ہے کہ قرآن اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے۔ جو خطیرۃ القدس پر اتری ہے اور جو کچھ آپ پر اترا ہے بلاریب اور بلاشک مبنی بر حق ہے۔ اور اس سے علیۃ و معلولیۃ اور اس جماعت اور صحبت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت واضح ہو جائے گی۔ اور اسی طریقہ سے نظم کلام اور کلام کا باہمی ربط بھی معلوم ہو جائے گا۔

اب جو کچھ مفسرین اور مجتہدین نے لغت عربی کی مہارت اور نظریات عقلیہ اپنی وسعت کے مطابق ایجاد ربط آیات میں کیا ہے تمام بے فائدہ اور یہ لوگ ان امور سے مستغنی بھی نہیں ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کما لا یخفی۔

والذین یومنون بما انزل الیك وما انزل من قبلك وبالآخرۃ ھم یوقنون: (۴)

اور وہ لوگ ایسے ہیں کہ یقین رکھتے ہیں اس کتاب پر جو آپ کی طرف اتاری گئی ہے اور ان کتابوں پر بھی جو آپ سے پہلے اتاری گئی ہیں اور آخرت پر وہ لوگ یقین رکھتے ہیں۔

مفسرین نے اس میں اختلاف کیا ہے کہ آیا یہ صفات پہلے بیان کی گئی ہیں ان پر عطف ہے یا یہ کہ یہ دوسری صفات ہیں، دوسرے موصوفات کی۔

کچھ لوگ کہتے ہیں پہلی صفات مہاجرین اولین کی ہیں۔ اور یہ صفات انصار ہے۔ اور یہ ظاہر کلام کی رو سے کہا گیا ہے۔ لیکن ہمارا نفس جس کی طرف مائل ہے اور ہم جس کی طرف رجوع کرتے ہیں وہ یہ ہیں کہ انہی لوگوں کی صفات ہیں۔ جو صفات اول سے متصف ہیں کیونکہ سلا آیات ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اثبات ہے جو "مکہ" میں قوت اجتماعیہ سے پیدا ہوا۔ اس اجتماع میں انصار بھی مہاجرین کے ساتھ شامل ہیں ان تمام نے مل کر اس اجتماع کو قوی اور مضبوط بنایا ہے اور اس اجتماع کو سب نے مل کر قوی اور مضبوط بنایا ہے۔ یہ کسی طرح موزوں اور درست نہیں ہے کہ اس اجتماعیہ کو دو قسموں میں تقسیم کر دیا جائے۔ کیونکہ اس اجتماع کا دائرہ اور حلقہ ام القریٰ اور اس کے اردگرد آباد ہونے والوں کا دائرہ اور حلقہ تھا۔ تو وہ قبائل جو مکہ کے قریب قریب آباد تھے اور یثرب کے بعض مقامات میں رہتے تھے سب اس جماعت میں داخل تھے اور اس پر لازم ہے کہ ان صفات کو معطوف مانیں اول صفات پر۔

اور یہ بات ہمارے نزدیک حکمت امام ولی اللہ میں ثابت اور مستقر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو بعثتیں ہوئی ہیں۔ ایک عرب "امیین" کے لئے دوسری "عالمین" کے لئے پہلی صفات جن پر دوسری صفات کا عطف ہے۔ دونوں مل کر بعثت ثانیہ کا مرکز ہیں اور اسی لئے متقیوں کے مختلف کمالات کی رُو سے دو جماعتیں ہو گئیں۔ ایک نے یعنی جماعت نے توجیہہ خطیرۃ القدس کی طرف علم وحال، اور عمل کی، دوسری جماعت نے معرفت احوال عالم سے جو باقتضاء نزول تعلیمات مختلفہ کے جو خطیرۃ القدس ان پر نازل ہوتے تھے توجہ کی اور یہ لوگ علماء

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں جو عرب کے مزاج سے اچھی طرح باخبر تھے اور یقین رکھتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو نازل ہوا ہے عرب کے مزاج کے مطابق و موافق ہے اور یہی معرفت ان کے ایمان بالغیب سے متفرع ہوتی ہے۔ مثلاً ہم حضرت عمر کو پاتے ہیں اگرچہ یہ بات ان کے ساتھ مخصوص نہیں ہے وہ اپنے قلب میں بعض امور کے لئے داعیۃ تشریع پاتے ہیں۔ یہ ایک زبردست مستقل دلیل ہے اس پر کہ یہ حضرات اسباب مقتضیۃ نزول شرائع کو جانتے تھے۔ اور انہی اسباب کو کتاب اللہ کے اندر حکمت کہا گیا ہے۔ حکمت سے یہی مراد ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نفس کتاب سے یہ حکم دیا گیا ہے کہ ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیں۔

پھر یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ حکماء کے بغیر لوگ قرآن نہیں سمجھ سکتے۔ نہ قرآن پر غور و تدبر کر سکتے ہیں انہی کے ذریعے ہم قرآن سمجھ سکتے ہیں۔ اور قرآن پر غور و تدبر کر سکتے ہیں۔ پس ان میں حکماء ہوئے جو ضرورت نزول اور شریعت کلی فہم و بصیرۃ رکھتے تھے۔ اسی طرح ایسے حکما بھی ہونے چاہیئے جو اسباب مقتضیۂ نزول شرائع متقدمہ کو سمجھ سکیں۔ مثلاً یہودیت و نصرانیت اور ان کے مطابق مجوسیت اور صابئہ کو سمجھ سکیں۔

اور ہم بیان کر چکے ہیں کہ دو بڑی ریاستیں جن کا منبع اور مرکز ہندوستان تھا اور جو یہودیت اور نصرانیت سے پہلے زمین پر عام اثر رکھتی تھیں اور وہ برہمیت اور سیننت تھیں۔ یہ دونوں دین یہودیت اور نصرانیت کے جیسے ہی ہیں ان کو سمجھ سکیں۔

پھر یہ کہ متقی حکماء بھی ہونے چاہیئے کہ جن کے قلوب اسباب مقتضیۂ نزول شرائع متقدمہ کو سمجھ سکیں۔ اور وہ اس پر جو پہلے کتابیں نازل ہو چکی ہیں ان پر ایمان رکھتے ہوں۔ چنانچہ یہ اور ہر دو وصف سے متصف ان میں پائے گئے ہیں اور یہی لوگ بعثت ثانیہ عالمیہ کے حامل ہوئے

قولہ تعالیٰ — خدا کا فرمان!

وبالاخرۃ ھم یوقنون — اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔

انسان جس وقت "نظام انسانیت عالمیہ" کو سمجھ لیتا ہے تو وہ ایمان بالآخرۃ پر مجبور اور مضطر ہو جاتا ہے۔ اور جب ایسے لوگ ایمان لائے تو یہ دلیل واضح ان کی معرفت پر۔ اور فطرۃ انسانیہ عالمیہ پر جو تمام امتوں پر متفرق و منتشر ہے اور ان میں توازن قائم پیدا کریں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پس قرآن نے ایک ایسی جماعت ایجاد کی اور اس کی کامل تکوین کر دی یہ اس امر کی دلیل ہے کہ قرآن کتاب اللہ ہے اور خدا کی جانب سے نازل ہوا ہے۔

اولائک علی ھدی من ربھم — یہ لوگ ٹھیک راہ پر جو ان کو ان کے پروردگار کی طرف سے ملی اور یہ لوگ پوری طرح کامیاب ہیں۔
واولائک ھم المفلحون: (۵)

کسی امت کی فلاح اس عہد اور اس زمانے میں اس امر کی دلیل ہے کہ اس کے پاس تکمیل فطرۃ انسانی کے لئے کوئی برنامجہ، کوئی دستور العمل، کوئی صحیح نظام، صحیح پروگرام موجود ہے اور وہ عمل طور پر ان پر منطبق ہو رہا ہے اور اس قابل ہے کہ دنیا کی تمام امتیں اس میں داخل اور شریک ہو سکتی ہیں۔

وہ امت جس کا برنامجہ دستور العمل اور نظام و پروگرام فقط قومی ہے وہ ہرگز فلاح اور ہدایت اور راہ نمائی نہیں پائے گی۔

پس

انھم علی ھدی من ربھم وانھم ھم المفلحون: — وہی لوگ اپنے پروردگار کی جانب سے راہ ہدایت پر ہیں اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں

کے معنی یہی ہوتے ہیں کہ ان کے پاس ایک صحیح برنامجہ، صحیح دستور العمل، صحیح نظام، صحیح پروگرام تکمیل فطرۃ انسانی کا موجود ہے اور وہ اس کی صلاحیت رکھتا ہے کہ دنیا کی تمام امتیں اس کے اندر داخل ہو سکیں اور وہ مجرب اور آزمایا ہوا بھی ہے اور وہ اپنی جانوں پر اس کو منطبق کر چکے ہیں۔

تنبیہ

جس امت کے پاس برنامجہ قرآن اور قرآن کا دستور العمل قرآن کا نظام، قرآن کا پروگرام نہیں ہے وہ ہرگز ہرگز فلاح نہ پائے گی۔

مسلمان کھڑے ہو گئے اور دعوتِ قرآنیہ عالیہ کی تنظیم کی اور پچاس سال کی مدت میں اس کی تنظیم میں فائز المرام ہوئے۔ یہ مدت تحکیم صفینؑ پر ختم ہوئی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اگر کوئی قوم کسی امت اس تنظیم کے بعد کسی دوسری تنظیم کی طرف دعوت دے گی تو وہ کبھی کامیاب نہ ہوگی۔ جب تک قرآنی برنامجہ، قرآنی دستور العمل، قرآن نظام کو نہ اپنائے گا۔ اور ہمارے نزدیک یہ ثابت شدہ حقیقت ہے ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور ہمارا ایمان ان مختلف تحریکات عالیہ جو آج موجود ہیں۔ اور چل رہی ہیں، ان کے مطالعہ اور تجربہ کے بعد اس پر ہمارا ایمان ہے۔

لوگ اچھی طرح جانتے ہیں کہ روسی انقلاب ایک اقتصادی انقلاب ہے۔ وہ ادیان اور حیات اخرویہ سے قطعًا اور ابدًا بحث نہیں کرتا۔ ہم روس کے بااقتدار لوگوں کے ساتھ بیٹھے ہیں۔ ان سے تبادلہ خیالات کا موقع ملا ہے اور نہایت لطافت اور رافق و نرمی سے تدریج اپنے خیالات ان کے سامنے پیش کئے ہیں۔ اور ان کو اپنے خیالات سے قریب کیا ہے۔ اور وہ برنامجہ، دستور العمل اور نظام جو امام ولی اللہؒ نے حجۃ اللہ البالغہ کے اندر پیش کیا ہے ہم نے ان کے سامنے پیش کیا۔ انھوں نے اس برنامجہ دستور العمل، نظام کی بہت تعریف کی ہے اور ہم سے پوچھا گیا کوئی جماعت ایسی آپ کے پاس موجود ہے جو اس برنامجہ اور دستور العمل پر عمل کرتی ہو؟ ہم نے اس سے نفی وانکار کیا کہ کوئی جماعت نہیں ہے۔ یہ سن کر انھوں نے بہت دل سوزی اور افسوس کا اظہار کیا اور کہنے لگے اگر اس برنامجہ دستور العمل کرنے والی کوئی جماعت ہوتی تو ہم اس کے ساتھ شریک ہو جاتے، ہم ان کے دین میں داخل ہو جاتے، ان کا مذہب ہم قبول کر لیتے اور یہ ہمارے لئے بہت آسان تھا کہ ہم بڑی بڑی مشکلات سے دوچار ہیں کہ ہمارا برنامجہ اور دستور العمل فلاں میں نافذ کرنے سے قاصر ہیں۔ [1]

---

[1] مولانا عبید اللہ صاحب جب دہلی میں مقیم تھے "جمعیۃ الانصار" میں کام کرتے تھے، دہلی سے سندھ پہونچے، سندھ پہنچنا مولانا کا بہت مشکل اور دشوار تھا کیونکہ دہلی ان کی سخت سے سخت نگرانی کرتی تھی۔ لیکن کسی نہ کسی طرح بچ بچا کر مولانا دہلی سے نکل گئے اور پھر سندھ سے ۱۳۳۴ھ میں کابل چلے گئے۔ اور کابل میں تقریبًا سات سال مقیم رہے۔ یہاں مولانا نے ایک "جمعیۃ سیاسیہ" قائم کی جمعیۃ کا نظام سیاسی عسکری تھا۔ اسی جمعیۃ کی بدولت افغانستان کلیۃً آزاد ہوگیا۔ اور یہ آپ کی کوششوں کا نتیجہ تھا جب انگریزوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ ان کے اقوال کا بلا کسی تحریف و تبدیلی کے، پس اس کے بعد مجھے یقین ہو گیا کہ یہ لوگ ایک نہ ایک دن ایسا آئے گا کہ ہمارا برنامجہ، ہمارا دستور العمل، ہمارے نظام جو قرآن نے پیش کیا ہے اس کے ماننے اور اس پر عمل کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ اگرچہ کچھ عرصہ کے بعد سہی۔ انشاء اللہ۔

آج ہم عالمی اور عالمگیر تحریک روس کی تحریک انقلاب کے مثل نہیں پاتے۔ جو سراسر تعلیمات قرآن کی ضد اور اس کے مناقض ہے جب یہ تحریک جیساکہ ہم ذکر کر چکے ہیں قرآن کے

اور افغانستان میں صلح ہو گئی تو مولانا کا قیام وہاں مشکل ہو گیا۔ کیونکہ صلح میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ مولانا کو انگریزوں کے حوالہ کیا جائے۔ اس لئے مولانا کا ارادہ استنبول جانے کا ہوا۔ اور ۱۳۴۰ھ مولانا شرق ادنیٰ کے حالات دیکھنے کا بہت شوق رکھتے تھے۔ لیکن شمال کی جانب سے آپ کا سفر مشکل تھا اس لئے وکیل روس سے بات چیت کی سفیر نے نہایت خوشی کا اظہار کیا۔ اور سفر کی مشکلات دور کر دیں۔ مولانا روانہ ہو گئے اور جیحوں عبور کر کے حدود روس میں داخل ہو گئے۔ جب مولانا روس پہنچے تو ایک دوسرا ہی عالم نظر آیا۔ روس کے عزائم وارادوں کو کچھ عجیب و غریب پایا۔ لیکن اس سے وہ متاثر نہ ہوئے کہ اسلام کے نظام سے انہیں ایک خاص قسم کی محبت بلکہ عشق تھا۔ زعماء روس اور وہاں کے قائدین سے خاص خاص ملاقاتیں کیں۔ ان کے اصول دیکھے اور حوادث کا گہرا مطالعہ کیا۔ اس کے بعد مولانا ماسکو سے ترکی پہنچے اس وقت مصطفیٰ کمال پاشا مرحوم ترکی کی تعمیر جدید میں مشغول تھے اور سوئٹزرلینڈ کا قانون جاری کر رہے تھے۔ اس انقلاب میں بہت سے امور خلاف اسلام تھے اور خلاف فطرت انسانی پاتے تھے۔ لیکن آنکھیں سب کچھ دیکھتیں تھیں، اور کان سب کچھ سن رہے تھے۔ مگر یارائے سخن نہ تھا۔ مجبور تھے۔ انقلاب روس اور انقلاب ترکی دیکھنے کے بعد مولانا مرکز اسلام "مکہ معظمہ" پہنچے اس کے بعد تقریباً پانچ سال کے بعد ۱۹۳۹ء میں کراچی پہنچے۔

کس قدر افسوس ہے زعماء روس اور اس کے قائدین نے صرف اقتصادی انقلاب پیدا کیا ہے اور اسلام دنیا و آخرت کے انقلاب کا متقاضی ہے۔ روس کے زعماء اور قائدین مولانا عبید اللہ صاحب سے پوچھتے ہیں کہ کیا کوئی ایسی جماعت ہے جو آپ کے پروگرام پر عمل کر رہی، تو ہم اس کے ساتھ شرکت کرنے کو تیار ہیں بلکہ ان کا مذہب بھی قبول کرنے کو تیار ہیں۔ اور مولانا کچھ عرصہ کے بعد امید رکھتے ہیں کہ روس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لئے مضطر اور بے چین ہے۔ جس کا برنامج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ادنیٰ امتی ان کو پہنچا رہا ہے۔ تو اس کے علاوہ جو تحریکیں چل رہی ہیں ان کا کیا حال ہوگا۔

اس چیز نے میرے ایمان میں بہت زیادہ اضافہ کیا اور یقین ہوگیا کہ ہدایت اور فوز فلاح قرآن حکیم اور قرآن حکیم کے پیروکاروں پر موقوف ہے۔ یہ تنبیہ ختم ہوئی۔

اب ہم اصل تفسیر کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ یہاں متعین مومنین کا ذکر ختم ہوتا ہے اسکے بعد

کچھ عرصہ کے بعد قرآنی دستور العمل ضرور قبول کرے گا۔ لیکن افسوس مسلمانوں کے پاس کوئی ایسی جماعت نہیں ہے۔ قرآن کے ماننے والے، قرآن کے دستور العمل، قرآن کے نظام سے دور جا رہے ہیں۔ اور جو دور ہیں وہ اس کو اپنانے کے لئے تیار ہیں

کم از کم اس سے اتنا تو ضرور معلوم ہوا کہ روس کا انقلاب اقتصادی اور صرف اقتصادی ہے۔ قائدین روس اسلام کے اقتصادی اور روحانی انقلاب کو پسند کرتے ہیں لیکن مسلمانوں میں کوئی ایسی ایسی جماعت کوئی ایسا اجتماع نہیں ہے کہ اسلام کے انقلاب کو پھر وجود میں لائے

آج دنیا میں نوے کروڑ مسلمان موجود ہیں۔ تقریباً بیس پچیس سال پہلے ہم نے علامہ طنطاوی کی کتاب "العلوم العصریہ" کا ترجمہ کیا تھا۔ اس میں ہم نے ایک نوٹس لکھا ہے۔ مختلف اخبارات کے حوالے سے اعداد شمار شائع کئے ہیں۔ اس میں مسلمانوں کی تعداد اس وقت نوے کروڑ تو کیا اتنے عرصہ کے بعد مسلمانوں کی تعداد ایک ارب تک نہیں پہنچ سکتی۔

بہرحال اس قدر تعداد روئے زمین پر مسلمانوں کی موجود ہے کیا اسلامی اجتماع وجود میں نہیں لا سکتے جو یورپ کی جمہوریتوں کا خاتمہ کر دے اور خود ساختہ جمہوریتوں سے نام ساری دنیا کو مبتلائے مصائب کر رکھا ہے۔ ختم کر دیں۔

مولانا عبید اللہ صاحب کے قول کے بموجب اس کا اقتدار اعلیٰ قرآنی دستور العمل کو اپنانے کے لئے تیار ہے۔ اس کا مذہب قبول کرنے کے لئے تیار ہے۔ شرط یہی ہے کہ کوئی جماعت کوئی اجتماع ایسا ہو۔ جو فلسفۂ شاہ ولی اللہ کے مطابق قائم کیا جائے۔ ایک پارٹی ایسی ہو، آسمانی دستور العمل اور آسمانی نظام حکومت اور آسمانی برنامج پیش کرے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کفار ملعونین کا ذکر آتا ہے ۔ اس کے بعد اپنے افکار کلیہ پیش کرتے اور اس کی توضیح کرتے ہیں۔ کہتے ہیں خارج عن القدرۃ کی تکلیف جائز ہے ؟ اور آیتوں میں تحریف کر دیتے ہیں ۔ میں اپنے نفس، اپنی جان سے کہتا ہوں اس قسم کے مسائل قرآن میں لانے اور ان سے بحث و کرید کرنے کی ضرورت ہے ؟ لیکن وہ مدارس جن میں اس قسم کی تفسیریں پڑھائی جاتی ہیں ۔ اور اس قسم کے مباحث رٹائے جاتے ہیں ۔ اس کی قباحت سے یہ لوگ آگاہ نہیں ہیں ۔ ان کا تو فرض تو یہ تھا کہ اس بارے میں کلام کرنے سے لوگوں کو مطلقاً روک دیتے ۔

میں ہمیشہ غور کرتا رہا ہوں کہ ان آیات کا ربط کیسا ہے ۔ میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ یہ اس سوال کا جواب ہے ۔ جو اس دلیل پر وارد ہوتا ہے جس کا پہلے ذکر ہو چکا ہے ۔ اعتراض یہ ہے کہ تم دلیل پیش کرتے ہو قرآن نے ایک جماعت کے افکار پر اثر کیا کہ وہ ایمان لے آئی ۔ اور اس نے اس کی حقانیت کی تصدیق کی لیکن مکہ میں ایک جماعت ایسی بھی تھی جو کافر تھی ، کتاب اللہ کا انکار کرتی تھی بلکہ ما جاء بہ الرسول کو جھٹلاتی تھی ۔ تو اگر قرآن موثر ہوتا جیسا کہ تم کہتے ہو کہ یہ جماعت تاثیر قرآن سے پائی گئی تو پھر قرآن نے اس کافر جماعت پر اپنا اثر کیوں نہ کیا ؟ اور جب قرآن نے ان لوگوں پر اپنا اثر نہ ڈالا تو ہم کہتے ہیں ان لوگوں پر بھی قرآن نے اثر نہ ڈالا بلکہ ان کے ایمان اور تصدیق کی وجہ کوئی دوسری ہی ہے ۔ نہ وہ جو تم کہتے ہو ۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس جماعت غیر مومن نے قرآن کی طرف التفات نہیں کیا ۔ قرآن کی دلیلوں کا انکار نہیں کیا ۔ بلکہ انھوں نے یہ کہا :

ایسا اجتماع ایسی جمعیۃ قائم کرنا انتہائی قربانی کا طالب ہے ۔ لیکن خلوص ہو تو یہ قربانی مشکل اور دشوار نہیں ہے وما ذالک علی اللہ بعزیز ۔ لیکن آہ ! مسلمان یورپ کے تاروں پر کب تک رقص کرتے رہیں گے ۔

تمہارے ساتھ والے جاگ اٹھے اور دور جا پہنچے

سر بستر بتاؤ لوگے تم انگڑائیاں کب تک

فیا ایہا المؤمنون تنتہوا و تیقظوا ۔ وکونوا عباد اللہ المخلصین ۔

ابو العلاء محمد اسمٰعیل کان اللہ لہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لاتسمعوا لھذا القرآن والغوافیہ   اس قرآن کو نہ سنو اور اس میں کجی پھیلاؤ

اس کے معنی یہ ہیں کہ ان لوگوں نے قرآن پر غور نہیں کیا اس لئے قرآن نے ان پر اثر نہیں کیا، ان لوگوں پر اثر نہ کرنے اس امر پر دلالت نہیں کرتا کہ قرآن موثر نہیں ہے۔ قرآن میں کوئی نقص ہے اس لئے کوئی اثر نہیں کیا۔ بلکہ تاثیر کا نہ ہونا ان کے عدم التفات، عدم سماعت ہے کہ ان لوگوں نے قرآن کو سنا نہیں قرآن کی طرف التفات نہیں کیا۔ اور اسی کی طرف اس قول خدا وندی میں اشارہ ہے۔

ان الذین کفروا سواء علیھم أ انذرتھم ام لم تنذرھم لایومنون ۶ ختم اللہ علیٰ قلوبھم وعلیٰ سمعھم وعلیٰ ابصارھم غشاوۃ ولھم عذاب عظیم ۷

بے شک جو لوگ کافر ہو چکے ہیں ان کے حق میں برابر ہے کہ خواہ آپ ان کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں وہ ایمان نہیں لائیں گے، بند لگا دیا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر، ان کے کانوں پر ان کی آنکھوں پر پردہ ہے اور ان کے لئے سزا بڑی سخت ہے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے انذار، اور دعوت الی القرآن کے لئے پوری پوری کوشش کی ان لوگوں نے کلام الہٰی کی طرف بالکل ہی کان نہ دھرے، اس کے معنی نہ سمجھے تو ملعون ٹھہرے، اور رحمت خداوندی اور اس نعمت سے بہت دور ہو گئے۔

اور ان کا عدم التفات اس مرض کی وجہ سے تھا جو ان کے دلوں میں بسا ہوا تھا۔ اور وہ حسد، کینہ، بغض اور خواہ مخواہ کا عناد تھا۔ تو وہ ایسے ہو گئے سواء علیھم الخ

اس کلام ہمارے   سے ثابت ہو گیا اور آیتوں میں ربط و نسق پیدا ہو گیا، اور کہنے کی ضرورت ہی نہ رہی۔ تکلیف بالمحال جائز ہے یا نہیں؟

اکثر مفسرین ساتویں صدی کے بعد ہوئے ہیں اور وہ قرآن پر غور و تدبر اسی طرح کرتے تھے گویا ان کے آئمہ متکلمین کا کلام ہے۔

اکثر مفسرین ساتویں صدی کے بعد ہوئے ہیں۔ ان لوگوں نے قرآن حکیم کو اسی نظر سے دیکھا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور اس پر غور کیا کہ کسی متکلم امام کا کلام ہے اور کتاب ہے نہ اس طور پر کہ یہ خدا کا کلام ہے۔

ہم خدا کی حمد و تعریف کرتے ہیں کہ اس نے ہم کو بواسطۂ امام ولی اللہؒ فہم قرآن کی قدرت اور توفیق بخشی اگر یہ امام نہ ہوتے تو ہم رازی، بیضاوی اور ان کے بعد والے مفسرین کی تفسیروں سے مطمئن نہ ہوتے۔ اگرچہ ہمیں اعتراف ہے۔ انکار نہیں کرتے کہ گو ان تفاسیر میں بہت سے اور بے شمار فوائد بھی موجود ہیں۔

بسا اوقات کوئی قائل کہتا ہے عدم التفات عدم توجہ اور ان کے نہ سننے کی وجہ سے خدا ان کو ملعون کہتا ہے۔ اور قرآن نے ان پر اثر نہ کیا۔ جیسا ابو جہل وغیرہ، مگر ایک جماعت منافقوں کی ایسی تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتی تھی۔ قرآن پڑھتی تھی اس جماعت پر قرآن اثر انداز کیوں نہ ہوا؟ اور کیوں انہیں ہدایت نہ ہوئی؟ اس لئے تمہارا پہلا جواب ہمیں قناعت نہیں کرتا کیونکہ ان منافقین کے حق میں جن کا ذکر آیت ۔۸ سے ۲۰ تک ہوا ہے۔ ان سے متعلق صحیح نہیں ہے۔

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اس میں شک نہیں کہ منافقین کی ایک جماعت موجود تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتی تھی اور قرآن پڑھتی تھی۔ لیکن یہ مسلمانوں کا استہزا اور مذاق کرنے کے لئے ایسا کرتے تھے۔ اور اس کی تصریح خود انہیں لوگوں نے کی ہے۔ چنانچہ ان کی حکایت و نقل اللہ تعالیٰ کرتا ہے۔

واذا لقوا الذین اٰمنوا قالوا آمنا واذا خلوا الی شیاطینھم قالوا انا معکم انما نحن مستھزءون (۱۴)	اور جب یہ ایمان والوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے اور جب اپنے شیاطین تنہائی میں ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم تمہارے ساتھ ہیں ہم تو ان سے استہزاء کرتے ہیں۔

اگر کسی استاذ کا اثر استہزاء کرنے والے شاگرد پر نہ پڑے تو استاذ کے کلام پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا اور اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ان کے حالات درج کر دیئے ہیں اور ایسی جماعت کا وجود تسلیم کیا ہے۔ جیسا کہ تم نے خود آیت ۸ کے اندر کیا ہے اور وہ یہ ہے۔

ومن الناس من یقول آمنا باللہ	بعض لوگ ایسے جو کہتے ہیں ہم اللہ پر اور آخرت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وبالیوم الآخر وما ھم بمؤمنین

کے دن پر ایمان لاتے ہیں اور حال یہ ہے کہ وہ ایمان نہیں لاتے ۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے دعویٰ کذب کو ثابت کیا ہے کہ وہ لوگ:

آمنوا باللہ وبالیوم الآخر وما ھم بمؤمنین (آیت ۸ سے ۱۰ تک)

وہ لوگ اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لائے ہیں حالانکہ وہ ایمان نہیں لائے ۔

چنانچہ فرماتا ہے:

یخادعون اللہ والذین آمنوا وما یخدعون الا انفسھم وما یشعرون فی قلوبھم مرض فزادھم اللہ مرضا ولھم عذاب الیم بما کانوا یکذبون :

یہ لوگ اللہ اور ان لوگوں کے ساتھ دھوکہ کرتے ہیں جو ایمان لائے ہیں ۔ اور حالانکہ وہ اپنی جانوں کے ساتھ دھوکہ کر رہے ہیں ۔ اور سمجھتے نہیں ان کے دلوں میں بیماری ہے ۔ اللہ نے ان کا مرض اور بڑھا دیا ہے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے ۔ اس وجہ سے کہ وہ حق کو جھٹلاتے ہیں ۔

(جاری ہے)

ماڈل ٹاؤن لاہور

© rasailojaraid.com